کمیشن برائے ناقابل تنسیخ حُقوق

کی

رپورٹ

فہرستِ مضامین

دیباچہ

اول-تعارف

دوم-منفرد امریکی روایات برائے حقوق

الف-اعلانِ آزادی

ب-آئین

ج-لنکن کی اعلان آزادی کی جانب واپسی

د-بعد از خانہ جنگی اصلاحات

ز-امریکہ کے بنیادی اصول اور دنیا

سوئم-بین الاقوامی انسانی حقوق اصولوں پر امریکی عزم

الف-انسانی حقوق کا بین الاقوامی منشور اور امریکہ

ب-بین الاقوامی منشور کا مطالعہ

ج-بین الاقوامی انسانی حقوق منشور کے بارے میں مستقل سوالات

۱-قومی خود مختاری اور انسانی حقوق

۲-شہری اور سیاسی حقوق کا معاشی اور معاشرتی حقوق سے تعلق

۳-انسانی حقوق اور ریاستوں کی ذمہ داریاں

۴-جمہوریت اور انسانی حقوق

۵-انسانی حقوق کی درجہ بندی

۶-نئے حقوق کی ابتداء

۷-بین الاقوامی انسانی حقوق منشور کے بعد انسانی حقوق اور مثبت قانون

۸-انسانی حقوق مثبت قانون سے بالاتر

چہارم-انسانی حقوق بمقابلہ امریکی خارجہ پالیسی

الف-خارجہ پالیسی اور آزادی

ب-آئینی ڈھانچہ، قانونی تناظر اور معاہدہ کی ذمہ داریاں

ج-نئی مشکلات

د-کثیر جہت خارجہ پالیسی میں انسانی حقوق

اختتامی مشاہدات

دیباچہ

جیسے ہی ہمارے کمیشن کا اِس رپورٹ پر کام مکمل ہونے کے قریب تھا تو سماجی ہنگاموں نے ریاستہائے متحدہ امریکہ کو ہِلا کہ رکھ دیا اور قوم کو اس امر کی یاد دہانی کرادی کہ نسلی بنیادوں پر ناانصافی کی طویل تاریخ کے بد اثرات پر قابو پانے کا کام اب بھی نامکمل ہے-پولیس کی سفاکی، عوامی بلووں اور اندرون ملک انسانی حقوق کے بارے میں امریکہ کے عزم سے متعلق متعدد سوالات کا قوم کو اشتعال میں لانے کے واقعات سے ہمارے اِس موقف کو تقویت ہے، جس کے بارے میں ہم نے پہلے ہی تعارفی کلمات یا اِس رپورٹ کے اندر دیگر مقامات پر زور دیا ہے کہ "بیرون ملک انسانی حُقوق کے فروغ کے بارے میں امریکہ کی وکالت کی ساکھ کا انحصار اندرونِ مُلک شہریوں کو بنیادی حُقوق کی فراہمی کی خاطر قومی بیدار مغزی پر ہے۔ دنیا کی نظروں امریکہ پر لگی ہوئی ہیں کہ وہ دیانت داری سے خود احتسابی اور بہتری کی وہ کوششیں کرے جن کی توقع وہ دوسروں سے کرتا ہے۔ بنی نوع انسان کے ناقابل تنسیخ حقوق سے امریکی وابستگی اور لگن کم توجہ نہیں چاہتی۔

اختتامی مشاہدات میں ہماری رائے کا اظہار یہاں بے جا نہ ہو گا کہ "بیرون ملک انسانی حقوق کے فروغ کے لیے امریکہ خود کو بطور ایسا معاشرہ مثال پیش کرے جہاں پر انسانی حقوق کا احترام ہے اور قومی سطح پر وسیع مذہبی، نسلی اور ثقافتی تنوع کے باوجود تمام شہری قانون کے تحت آپس میں مِل جُل کر رہتے ہیں۔ دیگر تمام قوموں کی طرح امریکہ بھی کوتاہیوں سے پاک نہیں ہے۔ تاہم امریکہ کی آزادی، برابری اور جمہوری خود مختاری نے ہمیشہ دنیا بھر میں انسانی حقوق کے کارکنوں کو ولولہ بخشا ہے اور بدستور بخش رہا ہے اور انسانی حقوق کے لیے امریکی وکالت نے شہری حقوق غصب کرنے والی استبدادی حکومتوں کے ظلم و ستم برداشت کرنے والے کروڑوں خواتین اور مردوں کو حوصلہ دیا ہے۔

قوم کو درپیش موجودہ مشکل حالات کے تناظر میں، کمیشن توقع کرتا ہے کہ اس رپورٹ میں پیش کئے گئے حقائق قومی افتخار اور انکساری کے اُس پیچیدہ امتزاج کو پروان چڑھائیں گے جو امریکہ کے قیام کے بنیادی اصولوں میں پیوستہ خارجہ پالیسی اور داخلہ پالیسی-مرتب کرنے کے لیے مشکل الحصول اور ضروری پیشگی شرائط میں سے ہے۔

اول-تعارف

بیسویں صدی کے وسط میں دنیا غیر معمولی جارحیت سے بھرپور دو عالمی جنگیں بھگت چکی تو بین الاقوامی تعلقات کی اخلاقی سرزمین کو بہتر مستقبل کے لیے سازگار حالات کے قیام کے مقصد سے لیے جانے والے اقدامات کے سلسلے سے ہمیشہ کے لیے تبدیل کر دیا گیا۔ تبدیلی کے اِن گھڑیوں میں امریکہ بطور کلیدی قوت شامل تھا: اقوام متحدہ کا قیام اور اس کے منشور میں انسانی حقوق کے فروغ کو بطور نکتہ شامل کرنا، نیورمبرگ ٹرائلز کے ذریعہ اس بات کو یقینی بنانا کہ کسی بھی ملک خواہ اپنے شہریوں سے سلوک بھی مستقبل میں بیرونی تفتیش اور تادیبی کارروائی سے مستثنیٰ نہیں ہوگا، ٹُرومن انتظامیہ کی جانب سے مارشل پلان کی توسط سے ناقابل بیان سخاوت سے جنگ زدہ یورپ کی نئے سِرے سے تعمیر کا ذمہ اُٹھانا اور منصوبہ میں بنیادی انسانی حُقوق، خود مختار منڈیوں کے قیام اور غذائی تحفظ کے اُمور کو آپس میں لازم وملزوم اہمیت کے حامل قرار دینا اور اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی جانب سے انسانی حُقوق کے بین الاقوامی منشور (یوڈی ایچ آر) کی بمع قلیل کلیدی اصولوں کے منظوری، جس کے تحت نہایت ہی مختلف پسمنظر کے افراد بھی اپیل کر سکتے تھے۔

تبدیلی کے مذکورہ عمل کا بنیادی تصور یہ تھا کہ سب انسانوں کو بعض بنیادی حقوق حاصل ہیں، یہ وہ تصور ہے جو ریاستہائے متحدہ امریکہ کے اعلان آزادی کی بازگشت ہے۔ یہ حوصلہ افزاء امر تھا کہ نئے قیام شدہ اقوام متحدہ کے پہلے ہی سے متنوع ارکان نے بین الاقوامی منشور کو "کامیابی کے بنیادی پیمانے" کے طور پر قبول کیا جس کے ذریعہ سے وہ "وسیع تر آزادی میں زندگی گزارنے کے بہتر معیار" کے حصول کے تناظر میں اپنی اور ایک دوسرے کی پیش رفت کو جانچ سکتے تھے۔

لیکن یہ عمومی اتفاق انتہائی غیر مستحکم تھا۔ یہ مثال انسانی حقوق منشور کے اصولوں کی بین الاقوامی توثیق سے کم نہیں تھی کہ اقوام متحدہ کا کوئی بھی رکن ملک اُن کی سَرعام مخالفت نہیں کر رہا تھا۔ تاہم آٹھ مُلکوں نے ووٹ استعمال کرنے سے اجتناب کیا (جن میں چھ سویت بلاک کے ارکان، سعودی عرب اور جنوبی افریقہ شامل تھے)۔ حتٰی کہ منشور کے شدید حامی ممالک، جیسا کہ امریکہ میں بھی، متعدد لوگوں نے "بنیادی انسانی حقوق میں یقین" اور "انسان کی عظمت اور احترام" کی توثیق سے بھرپور مگر ناقابل جوابدہی منشور کی اہمیت پر شکوک وشبہات کا اظہار کیا۔ کیونکہ یہ عقیدہ حال ہی میں سخت آزمائش سے گزر چکا تھا۔

تاہم شک وشبہ کرنے والوں کرنے والوں کے لیے یہ امر قابل تعجب ہوگا کہ آنے والی دہائیوں میں انسانی حقوق کے نظریہ نے گاہے بہ گاہے خاصی تقویت حاصل کی۔ مذکورہ نظریہ نے جنوبی افریقہ میں نسلی امتیاز کے خاتمہ، مشرقی یورپ میں مطلق العنان حکومتوں کو گرانے اور لاطینی امریکہ میں فوجی آمریتوں کے زوال میں کلیدی کردار ادا کیا۔ یہ پیغام چھوٹی بڑی غیر سرکاری تنظیموں کے لشکر کے ذریعہ سے طول وعرض میں پہنچ گیا اور گھٹن

کے شکار معاشروں میں انگور کی بیل کی مانند گہرائی تک پھیل گیا۔ یوڈی ایچ آر بعد از- دوسری عالمی جنگ متعارف ہونے والے دساتیر میں حقوق کے بل کے لیے ایک نمونہ ثابت ہوا اور امریکہ میں انسانی حقوق کا فروغ مُلکی خارجہ پالیسی کا کلیدی مقصد بن گیا، اگرچہ حالات کی تبدیلی اور بدلتی حکومتوں کی ترجیحات کی وجہ سے یہ مستقل توجہ کا مرکز نہیں رہا۔

تاہم آج کی کثیر رُخی دنیا میں، یہ نظر آرہا ہے کہ گزشتہ صدی میں تشکیل پانے والا انسانی حقوق کا پُرعزم منصوبہ مشکل حالات سے دوچار ہے۔ یوڈی ایچ آر کے اصولوں کی پاسداری پر کسی دور میں ہونے والا وسیع ترین اتفاق کمزور ہو چکا ہے، یہاں تک کہ انسانی حقوق اور احترام کی سنگین پامالی بھی تیزی سے جاری ہے۔ بعض ممالک مذکوہ اصولوں کی سرعام مخالفت کے بجائے بین الاقوامی طور پر تسلیم شدہ انسانی حقوق کی "جامع، غیر منقسم اور باہمی انحصار اور باہمی مربوط" حیثیت کو متنازعہ بناتے ہیں۔ چین جیسے ممالک تو انسانی حقوق کی تشریح اپنے زاویے سے کرتے ہوئے ان کو معاشی اور معاشرتی اقدامات سے منسلک قرار دینے کے بجائے دونوں کو لاتعلق قرار دے کر شہری اور سیاسی آزادی کا حق غصب کرتے ہیں۔ دور حاضر میں، بعض لبرل جمہوریتیں بھی جامع خارجہ پالیسی کی تشکیل میں انسانی حقوق کے احترام کی اشد ضرورت کی اہمیت کو نظر انداز کرتی نظر آرہی ہیں۔

انسانی حقوق کے منصوبہ کی مزید تباہ حالی کے اسباب میں بنیادی حقوق کی نوعیت اور حدود کے تعین کے بارے میں پائے جانے والے وسیع تر اختلافات، بین الاقوامی اداروں کی مایوس کُن کارکردگی اور سمجھوتے اور جمہوری فیصلہ سازی پر منفی اثرات کی حامل زبان کے بے دریغ استعمال شامل ہے۔ جبکہ دنیا کی نصف سے زیادہ آبادی ایسی جابر حکومتوں کے تسلط کا شکار ہے جہاں نہایت بنیادی حقوق بھی منظم طریقے سے پامال کیے جاتے ہیں یا پھر انتہائی کمزور اور انفرادی حقوق کے تحفظ سے، خاص طور پر نسلی پس منظر میں، نالاں حکومتوں کے زیرِ اثر زندگی بسر کرتے ہیں۔ عصر حاضر میں انسانی آزادی اور احترام کو ٹیکنالوجی کی تیز رفتار ترقی سے بھی خطرات لاحق ہوتے جارہے ہیں۔ مختصر یہ کہ انسانی حقوق کو اب بہت سے لوگ جانتے ہیں، کچھ لوگ ان کا غلط استعمال کرتے ہیں، بین الاقوامی سطح پر بدترین جابر انہیں پامال کرتے ہیں اور یہ نت نئے خطرات سے دوچار ہیں۔

اِن بڑھتی ہوئی مشکلاتوں کی روشنی میں، ۲۰۱۹ء میں امریکی وزیرِ خارجہ مائیکل پومپیو نے عزم کا اظہار کیا کہ خارجہ پالیسی میں انسانی حقوق کے معلوماتی جائزے کی گھڑی آن پہنچی ہے، جس سے امریکی مفادات فروغ پائیں، امریکی نظریات کی عکاسی ہو اور امریکہ کی جانب سے توثیق کردہ بین الاقوامی ذمہ داریوں پر عملدرآمد ممکن ہو سکے۔ اس ضمن میں انہوں نے فیڈرل ایڈوائزری ایکٹ مجریہ ۱۹۷۲ء کے تحت غیر جانبدارانہ اور آزاد نوعیت کے کمیشن برائے ناقابل تنسیخ حقوق تشکیل دیا۔

جیسا کہ چارٹر میں بھی واضح ہے کہ کمیشن کی ذمہ داری انسانی حقوق کے احترام کے لیے نئے اصولوں کی دریافت نہیں بلکہ خارجہ پالیسی کے ذریعہ سے انفرادی آزادی، انسانی برابری اور جمہوریت کے فروغ کے بارے میں وزیرِ خارجہ کو سفارشات پیش کرنا ہے۔ کمیشن کا منشور مزید بیان کرتا ہے کہ کمیشن کی جانب سے مرتب کی جانے والی سفارشات کی بنیاد ہماری قوم کی تشکیل کے بنیادی اصولوں اور انسانی حقوق کے بین الاقوامی منشور مجریہ ۱۹۴۸ء سے پیوستہ ہو گا۔ یہ مینڈیٹ اعلانِ آزادی اور یوڈی ایچ آر کی روح کی عین مطابق ہے۔

اعلانِ آزادی توثیق کرتا ہے کہ حکومت کی بنیادی ذمہ داری تمام افراد کے موروثی حقوق کا تحفظ ہے۔ امریکا کے بانیوں نے ان کو "ناقابل تنسیخ حقوق" قرار دیا تھا، جبکہ یو ڈی ایچ آر مرتب کرنے والوں نے دنیا کی متنوع قوموں سے قوی امید باندھی تھی کہ وہ نشاندہی کردہ انسانی حقوق کے تحفظ کے احترام کی راہ اپنی منفرد ثقافتوں میں پیوستہ اصولوں کی توسط سے کریں گی۔

جیسا کہ وزیر خارجہ نے وضاحت کی تھی کہ کمیشن کی ہدایات کا محور پالیسی سازی نہیں بلکہ اصولوں پر ہو گا۔ اس امر کو تسلیم کرتے ہوئے کہ خارجہ پالیسی تبدیل ہوتے ہوئے حالات کے تناظر میں تشکیل دی جائے اور انسانی حقوق کے ساتھ ساتھ متعدد دیگر عوامل کو بھی مد نظر رکھے، کمیشن نے عصر حاضر کے تنازعات میں انسانی حقوق کے اصولوں پر عملدرآمد کے بارے میں بحث میں کُودنے سے گُریز کیا۔ بلکہ کمیشن نے مذکورہ اصولوں پر توجہ مرکوز کرنے اور ان کے بارے میں عمومی غلط فہمیاں اور پیچیدگیوں کی وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے، جس کا مقصد اصولی اور کامل پالیسی ساز فیصلے کرنے کے ذمہ دار افراد کی مدد کرنا ہے۔ کمیشن یہ امید کرتا ہے کہ یہ رپورٹ شبانہ روز پالیسی سازی میں مشغول افراد کی ایسی حکمت عملی تشکیل دینے میں مدد کرے گی جو ہماری ان بنیادی قومی اقدار پر مشتمل ہو گی کہ تمام انسان برابر تخلیق کیے گئے ہیں اور انہیں بعض ناقابل تنسیخ حقوق ودیعت کئے گئے ہیں۔ کمیشن یہ بھی امید کرتا ہے کہ یہ رپورٹ ہمارے اپنے شہریوں اور دنیا بھر میں آزادی کے علمبرداروں کے درمیان انسانی حقوق کے تحفظ کے بارے میں بحث بھی چھیڑے گی۔

اپنی سفارشات کو تسلیم شدہ حقوق کی پاسداری کی منفرد امریکی روایت اور بین الاقوامی انسانی حقوق منشور کے اصولوں پر مبنی تشکیل دینے کے مینڈیٹ کو ذہن میں رکھتے ہوئے، کمیشن نے تمام تر متعلقہ تحریروں اور تقریروں کے مطالعہ کا منصوبہ بنایا، جس میں انفرادی شہریوں اور غیر سرکاری تنظیموں کے جانب سے جمع کروایا ہوا مواد بھی شامل تھا۔ اُس نے انسانی حقوق اور خارجہ پالیسی کے میدان میں وسیع دانش اور تجربہ کے حامل محکمہ خارجہ اور بیرونی ماہرین اور انسانی حقوق کے لیے کوشاں افراد کے نمائندوں سے بھی بھی مشاورت کی۔ منعقد کیے جانے والے عوامی اجتماعات میں شریک سامعین نے مدعو کردہ ماہرین کے ساتھ کمیشن کی گفتگو سُنی جبکہ اُن کو کمیشن ارکان سے سوال کرنے اور اپنی ذاتی رائے پیش کرنے کا موقعہ بھی مہیا کیا گیا جس کے نتیجہ میں کمیشن کے مباحثہ کو مزید وسعت ملی۔

کمیشن نے سب سے پہلے برسوں سے امریکہ کے حقوق روایات کی منفرد اور متحرک بنیادی روایات کا جائزہ لیا۔ بعد ازاں اس نے مذکورہ اصولوں کی انسانی حقوق کے بین الاقوامی منشور میں پیوستہ بین الاقوامی اصولوں اور ان اداروں میں شامل اصولوں سے تعلق کا جائزہ لیا جن پر امریکہ نے عملدرآمد کا عزم کیا ہوا ہے۔ اس رپورٹ میں ان تبصروں کو پیش کیا گیا جو دوران عمل اخذ کئے گئے اور جو امریکی خارجہ پالیسی سے متعلق ہیں۔

امریکہ کے دیگر شہریوں کی طرح، رپورٹ کے اختتام پر دستخط کنندہ کمشنرز بھی سب یکساں سوچ کے مالک نہیں ہیں لہٰذا انسانی حقوق کے دعوٰوں کے بارے میں ہماری رائے ایک دوسرے سے کافی مختلف ہے - جیسا کہ اسقاط حمل، توثیقی اقدامات اور سزائے موت جیسے امور۔ تاہم دنیا بھر میں کروڑوں

مرد اور خواتین کو مطلق العنان جابر حکومتوں کے زیر تسلط شدید احساسِ محرومی کا شکار دیکھ کر ہم اس بات پر متفق ہیں کہ ریاستہائے متحدہ امریکہ کو اپنی خارجہ پالیسی میں انسانی حقوق کے حصول کو کلیدی اہمیت دینا چاہئے۔ طاقتور ریاستوں سے سخت نظریاتی مخالفت کا شکار آزادی، انسانی برابری اور جمہوریت کی اس گھڑی میں دنیا کی لبرل جمہوریتوں کو ان اصولوں کے دفاع میں کوتاہی کا مرتکب نہیں ہونا چاہئے جنہوں نے ان کو "وسیع آزادی میں زندگی کے بہتر معیار" کے حصول کے قابل بنایا ہے۔ امریکہ کو عصر حاضر کے بحرانوں سے نمٹنے کے لئے آج پھر اسی جوش و جذبے کا اظہار کرنے کی ضرورت ہے جو اس نے دو عالمی جنگوں کے بعد نئے بین الاقوامی نظم کی تشکیل میں دکھایا تھا۔

اس کے ساتھ ہم اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں کہ امریکہ بیرونِ ملک انسانی حقوق کا کامیاب علمبردار فقط اسی صورت میں بن سکتا ہے جب وہ اپنی سرزمین پر بھی انسانی حقوق کے احترام کے یکساں عزم کا اظہار کرے۔ بیرونی ملک انسانی حقوق کے تحفظ کی امریکی کوششوں کی ساکھ اندرون ملک اپنے شہریوں کو وسیع تر بنیادی حقوق کی فراہمی یقینی بنانے کے قومی شعور پر منحصر ہے۔ دنیا کی توجہ کو مدِ نظر رکھتے ہوئے امریکہ اس ایماندارانہ خود احتسابی اور اصلاحی اقدامات کا اظہار کرے جس کی وہ دوسروں سے توقع کرتا ہے۔

جیسا کہ ۱۹۴۸ء میں سوویت یونین نے کیا تھا، چین، ایران اور روس تیزی سے حملے کرنے میں مصروف ہیں تاکہ ہمارے ملک کی اندرونی ناکامیاں عصر حاضر کے بین الاقوامی انسانی حقوق کے دفاع میں ہمارے موقف کی ناکامی کا سبب بنیں۔ تاہم انسانی حقوق کا احترام کرنے والے مگر اپنے نظریات کی منزل کے حصول میں تھوڑا پیچھے رہ جانے والے ممالک کو اپنے شہریوں کے بنیادی حقوق سے مسلسل بھیانک کھلواڑ کرنے والے مُلکوں سے تشبیہ دینے کا کوئی اخلاقی جواز نہیں بنتا۔

اسی طرح اس رپورٹ میں ہم دسمبر ۱۹۴۸ء میں انسانی حقوق کا بین الاقوامی منشور منظور کرانے کے لیے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے سامنے کھڑی ہوئی ایلے نور روزویلٹ کے جنون کی عکاسی کرتے ہیں۔ بین الاقوامی انسانی حقوق کے لئے ان کا جنون اپنے وطن میں نسلی انصاف کے قیام کی کوششوں کے برابر تھا، دوسری عالمی جنگ کے دوران سخت تنقید کے باوجود انہوں نے بارہا اِس موقف پر زور دیا کہ افریقی نژاد امریکی شہریوں کو حقوق کی فراہمی یقینی بنانے تک امریکہ ایک جمہوری ملک ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اُس شام اپنے اختتامی کلمات میں انہوں نے عزم اور عاجزی دونوں کا اظہار کرتے ہوئے وزیر خارجہ جارج مارشل کا حوالہ دیا:

"آیئے جنرل اسمبلی کے اس تیسری باقاعدہ نشست کو انسانی حقوق کا منشور بھاری اکثریت سے ہم سب کے لئے بطور بیانِ عمل منظور کرنے دیں اور آیئے بطور اقوام متحدہ کے ارکان، اپنے نقائص اور کوتاہیوں سے آگہی کے باوجود، ہم سب اعلیٰ معیار کے مطابق زندگی بسر کرنے کی خاطر کوششیں کریں۔"

ناقابل تنسیخ حقوق کے کمیشن کے ارکان بھی معیار کی بلندی کو قبول کرتے ہیں۔ ہم امید کرتے ہیں کہ اس رپورٹ کی جانب سے، قوم کی تشکیل کے بانی اصولوں اور بین الاقوامی سطح پر قبول کردہ ضابطوں کی روشنی میں، امریکہ کے عزم کا احتساب ایک ایسے مباحثہ کا آغاز کرے گا جو حکومت کے اندر اور باہر بیٹھے ہوئے ہمارے شہریوں کی انسانی حقوق کے احترام کے بارے میں اہلیت اور ان کی تکمیل میں مدد کرے گا۔

دوم: انسانی حقوق کے بارے میں منفرد امریکی روایات

آزاد اور جمہوری طور پر خود مختار حقِ حکمرانی کا امریکی تجربہ متعدد ذرائع سے ماخوذ ہے۔ ۱۷ویں صدی میں مشرقی ساحل پر آباد ہونے والے برطانوی لوگوں نے اس کو نئی دنیا قرار دیا اور نئے پھلتی پھولتی آبادیوں کو تشکیل دیا اور اپنے ساتھ متنوع روایات کے رنگ لے آئے۔ یہ روایات ایک دوسرے سے مضبوطی سے جڑی ہوئی اور مختلف رُخوں میں پھیلی ہوئی تھیں۔ بالآخر ان کے باہمی امتزاج نے منفرد اور متحرک قومی سوچ کو جنم دیا۔

امریکی نظریہ کی تخلیق میں تین روایتوں کا کردار نمایاں تھا۔ اُس دور کے لوگوں کا مقبول مذہب پروٹسٹنٹ مسیحیت انجیل کے اس خوبصورت درس پر مبنی تھا کہ ہر انسان قابل احترام ہے اور ساتھی انسانوں کا خیال رکھنے کا ذمہ دار بھی ہے کیونکہ ہر انسان خداوند قدوس کے عکس کا مظہر ہے۔ قدیم رومی تعلیم میں جڑے ہوئے شہری جمہوری نظریہ نے اس بات پر زور دیا کہ آزادی اور برابری قانون کے تحت ایک ایسی اخلاقی شہریت پر منحصر ہیں جو خود مختاری کی پاسداری کو تسلیم کرے اور کلاسیکی لبرلزم نے سیاست کی ابتداء اور مرکز میں یہ اخلاقی حدود قائم کیں کہ انسان فطرتاً آزاد اور برابر ہے، اس نظریہ کے باعث سیاسی روایت کو تقویت ملی کہ اخلاقی جواز کی حامل حکومت وہی ہوتی ہے جو محکوم کی رضامندی سے تشکیل پائی گئی ہو۔

امریکی نظریہ کو پروان چڑھانے والی ہر منفرد روایت نے، آپس میں دیرینہ تناؤ سے بالاتر ہو کر، اس بنیادی اصول کو مضبوط کیا کہ حکومت کی بنیادی ذمہ داری ناقابل تنسیخ حقوق کو محفوظ بنانا ہے- وہ حقوق جو تمام تر انسانوں کے لیے موروثی ہیں۔ اعلان آزادی بھی اِسی بنیادی روایت کا دعویٰ کرتا ہے اور ریاستہائے متحدہ امریکہ کا قانون اس خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے کے لئے سیاسی اداروں کا قیام عمل میں لاتا ہے۔ درحقیقت امریکی تاریخ کو سمجھیں تو اُس کا زیادہ تر حصہ سرزمین کے دائرہ قانون میں رہائش پذیر تمام تر افراد کو انسانی حقوق کی فراہمی یقینی بنانے کے بانی قومی اصول کی جدوجہد پر مشتمل ہے۔

دنیا کی دیگر قوموں کی طرح امریکہ میں بھی بہت سے اُمور پر جدوجہد ہوئی ہے: جیسا کہ غلامی کے خاتمہ، مقامی امریکیوں کی آبائی زمینوں سے بیدخلی، تارکین وطن اور دیگر کمزور اقلیتوں سے امتیازی سلوک اور عورتوں پر قانونی پابندیوں کے اطلاق اور اُن کو مواقع سے محروم رکھنا شامل ہے۔ ناقابل تنسیخ حقوق کا احترام نہ فقط اس امر کا ایماندارانہ اعتراف چاہتا ہے کہ امریکہ کہاں پر اپنے اصولوں کی پاسداری میں ناکام رہا بلکہ انسانی تاریخ کے قدیم ترین اور ہماری قوم کی جانب سے ناقابل تنسیخ حقوق کی سنگین پامالی کے گناہ یعنی انسانوں کو غلام بنانے کا بھی خُصوصی اعتراف چاہتا ہے۔ قانونی تحفظ سے آراستہ اور منظم غلامی نے امریکہ کا حلیہ ہی بگاڑ دیا کیوں کہ اس کے وُجود سے ساتھی انسان کی جان کی قدر کو خرید و فروخت کی چیز اور مالک کے فائدے

کی ملکیت کے طور پر محدود کیا گیا۔ غلام رکھنے والے متعدد بانی رہنماؤں نے، جن میں تھامس جیفرسن شامل نہیں، یہ اعتراف کیا کہ ناقابل تنسیخ حقوق کی روشنی میں غلامی کو صرف بطور ظالم اور ناقابل دفاع ادارہ ہی دیکھا جاسکتا ہے۔ ریاست ورجینیا کو تحریر کیے گئے خط میں غلامی کا جائزہ لیتے ہوئے انہوں نے لکھا تھا کہ خُدا کو منصف جان کر میں تو اپنے مُلک کے وُجود ہی کے بارے میں سوچ کر لرز جاتا ہوں۔ تاہم کسی بھی تنازعہ میں سب سے زیادہ امریکی جانوں کے ضیاع کا سبب بننے والی خانہ جنگی نے ہی وفاقی حکومت کے لیے غلامی کے خاتمہ کے اقدامات کی راہ ہموار کی۔ تاہم افریقی نژاد امریکیوں کو شہری وسیاسی حقوق کی ضمانت کے قوانین کے اطلاق میں مزید ایک صدی بیت گئی۔ ہماری قوم آج بھی، اپنے قانون اور ثقافت میں، اپنی تشکیل کے بانی اصولوں میں پیوستہ انسانی حقوق کے احترام کی جدوجہد کر رہی ہے۔

امریکیوں کو یہ سمجھنے میں کئی نسلوں کی جدوجہد کرنی پڑی ہے کہ ملکی شہریت میں شامل استحقاق اور تحفظ پر مبنی ناقابل تنسیخ حقوق کی فراہمی کا اطلاق تمام افراد پر بغیر کسی قابلیت کے ہوتا ہے۔ یہ بات بلاتردید کہی جاسکتی ہے کہ افہام تفہیم میں یہ پیشرفت، قوم کی بانی اصولوں سے وابستگی کی عکاسی کرتی ہے۔

سب کے لیے یکساں حقوق کے حصول کی جانب پیشرفت غیر معمولی طور پر سست رفتار اور افسوس ناک حد تک تنزلی کا شکار رہی ہے۔ اگرچہ تاریخ کے کسی بھی سخت گیر قانون نے حکم نامہ آزادی میں شامل امریکی تجربہ کی کامیابی کی ضمانت نہیں دی تھی لیکن قوم کے معرض وجود میں آنے کے ۲۴۴ برس بعد ریاستہائے متحدہ امریکہ کو اپنی آزادی، برداشت اور تنوع پر فخر ہونا چاہیے۔ اسی اثناء میں قوم کو نامکمل کام پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے بھی ضرور کوشش کرنی چاہئے۔ یہ فخر اور انکساری برابر قوم کے بانی منشور کی عکاسی کرتا ہے کہ انسان موروثی حقوق سے برابر مالامال ہے اور جبکہ یہ اُن کے تحفظ کے لئے قیام کردہ آئینی طرز حکمرانی کے دیرینہ عزم کی بھی نمائندگی کرتا ہے۔ تاہم دو مختلف استحقاق اور تحفظات کی بنیاد پر انسانی درجہ بندی کے وجود میں یقین رکھنے والی دقیانوسی ذہنیت کو ختم کرنا اب بھی انتہائی دشوار ہے۔ امریکہ کی طویل اور مشکل جدوجہد عصر حاضر میں انسانی حقوق کے مقصد کے لئے رہنمائی اور حوصلہ افزائی کرسکتی ہے۔ امریکی تجربہ تجویز کرتا ہے کہ ناقابل تنسیخ حقوق کا حصول آزادی اور خودمختاری سے شروع ہوتا ہے جو کسی انسان کو اپنا طرز زندگی اور اپنے فیصلوں کی ذمہ داری لینے کے قابل بناتا ہے۔

الف: اعلانِ آزادی:

جولائی ۱۷۷۶ء میں آبادکاروں کی جانب سے انگلستان سے علیحدہ ہو کر اپنی حکومت قائم کرنے کے یادگار فیصلہ کے نتیجہ میں، انسانی تاریخ میں پہلی مرتبہ کوئی قوم سب سے بالاتر اور سب کے لیے قابل تقلید آفاقی اخلاقی اُصول کے تحت معرض وجود میں آئی۔ اس اصول کہ سب انسان فطرتاً آزاد اور برابر ہیں، کی جڑیں انسانی فطرت، منطق اور خدا پر ایمان پر قائم ہیں اور یہ سیاست پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔

اعلانِ آزادی کا مقصدِ خاص امریکہ کو برطانیہ سے جوڑنے والے سیاسی رشتوں کو تحلیل کرنا اور یہ صادر کرنا تھا کہ ۱۳ کالونیاں آزاد اور خودمختار ریاستیں ہیں۔ اعلانِ آزادی نے ان ہنگامی اقدامات کے منصفانہ ہونے کی دلیل کنگ جارج سوم کے خلاف جابرانہ طرز حکمرانی کے الزامات کی لمبی فہرست عائد کر کے پیش کی۔ امریکیوں نے اپنے لئے وہ حقوق مانگے جن کو وہ سب انسانوں کا استحقاق تصور کرتے تھے: "زمین پر طاقتوں کے درمیان، ایک علیحدہ اور

برابر جگہ حاصل کرنا، جس کا فطرت کے قوانین اور قادر مطلق ان کو حق دیتا ہے۔" انسانوں کی برابری اور آزادی میں ان کے مشترکہ مفاد کی وجہ سے دستور آزادی امریکہ کی اپنی آزادی کو امور خارجہ کے زاویہ سے بھی دیکھتا ہے اور بیان کرتا ہے کہ " انسانی رائے کا مہذب احترام اس بات کا متقاضی ہے کہ " امریکی عوام " ان اسباب کو ظاہر کریں جنہوں نے ان کو علیحدگی پر مجبور کیا۔" جیسا کہ ابراہم لنکن نے ۸۴ برس بعد روشنی ڈالی تھی کہ اعلانِ آزادی کے مصنف تھامس جیفرسن نے " یکساں لوگوں کی جانب سے قومی آزادی کی خاطر جدوجہد کے لئے سخت دباؤ کے عین درمیان بردباری، دُور اندیشی اور قابلیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے مکمل انقلابی دستاویز بطور تصور مجرد سچ متعارف کروایا جو ہر دور کے انسانوں کے لئے قابل عمل ہے۔ جس مجرد سچائی کا لنکن نے حوالہ دیا تھا وہ امریکی اسوہ حیات کا مرکز ہے۔" ہم ان حقیقتوں کو روز روشن کی طرح سمجھتے ہیں کہ تمام انسان برابر تخلیق کیے گئے ہیں، کہ ان کو خالق حقیقی نے خصوصی ناقابل تنسیخ حقوق سے نوازا ہے، جن میں زندگی، آزادی اور خوشی کا حصول شامل ہے۔"

اعلان آزادی ناقابل تنسیخ حقوق کو اعلیٰ وارفع بنیادوں سے منسوب کرتے ہوئے فلسفہ اور عقیدہ، منطق اور کشف کے لیے دلچسپ بناتا ہے۔ سب انسانوں کو حاصل موروثی حقوق کا نظریہ اس مفروضہ پر مبنی ہے کہ تمام لوگ، مختلف ثقافتوں سے مالامال قوموں اور افراد کے شاندار تنوع کے باوجود ،ایسی فطرت اور تشخص کے مالک ہوتے ہیں جو کسی ایک تاریخی دور سے دوسرے تاریخی دور کی ابتداء تک حاوی رہتی ہے۔ اب، ماضی کی طرح آج بھی اُن اعلیٰ وارفع بنیادوں کے بارے میں مزید ضروری سوال جنم لے رہے ہیں۔ کس حد تک ناقابل تنسیخ حقوق کسی خالق ہستی کے کام پر منحصر ہیں؟ کیا ایسے حقوق پر یقین خدا کے وجود پر ایمان کے بغیر برقرار رہ سکتا ہے؟ کیا ناقابل تنسیخ حقوق سب کو منطق کے ذریعہ سے ہی معلوم ہوں گے؟ وہ کون سے طریقے ہیں جن سے ناقابل تنسیخ حقوق فطرت کے قوانین سے منسلک ہیں، جو فرد کی آزادی کے گرد گھومتے ہیں، جن پر اولین جدید فلسفیوں نے غور کیا ہے؟ وہ کون سے طریقے ہیں، جن سے ناقابل تنسیخ حقوق فطری قانون سے پیوستہ ہیں، جن میں فرائض اور نیک اوصاف کی تاکید کی جاتی ہے اور جس کا زیادہ تعلق قُرون وسطیٰ کے سیاسی فلسفہ سے ہے؟ اور یہ ناقابل تنسیخ حقوق کس طرح اپنی نوعیت کے اعتبار سے انصاف سے منسلک ہیں جو کلاسیکی سیاسی فلسفہ کا مرکزی خیال ہے؟ ان مابعد الطبیعاتی سوالات کا سنہ ۱۷۷۶ء تک کوئی بھی حتمی جواب موجود نہیں تھا۔ حتیٰ کہ آج بھی جب انسانی فطرت، معروضی استدلال اور ایک خالق خدا کے تصورات اہل دانش کے سامنے چنداں اہمیت کے حامل نہیں ہیں، جبکہ یہ نظریہ زور پکڑتا جارہا ہے کہ افراد اپنے بدن کی جسمانی خصوصیات کی مناسبت سے قابل بیان ہیں۔

جب ہم ناقابل تنسیخ حقوق کے بارے میں حتمی ذرائع کے بارے بحث میں شامل ہوتے ہیں جو اتنی ہی قدیم ہے جتنی جمہوریہ، تو یہ بات مناسب ہے کہ ہم اس روایت کے کردار کو تسلیم کریں جس نے ان کو امریکی فطرت میں گھول دیا ہے۔ تاہم دلیل، فطرت اور خدا کے بارے میں فلسفانہ بحث حل کی جانی چاہئے، اعلان آزادی میں تمام افراد کو پیدائشی حقوق کی توثیق، عرصہ دراز سے امریکی عقائد، رسم ورواج اور اداروں میں گہرائی میں پیوستہ ہوگئی ہے اور امریکی قوم کے اخلاقی اور سیاسی ورثہ کے تحفظ اور استحکام کی وجہ بن گئی ہے۔

اعلامیہ اپنی سچائی کا واضح داعی ہے کہ وہ سیاسی معاشرہ کو انسان کے ناقابل تنسیخ حقوق کے احترام کا ذمہ دار قرار دیتا ہے: "ان حقوق کے حصول کی خاطر، افراد کے درمیان حکومتوں کا قیام عمل میں لایا جاتا ہے"۔ ناقابل تنسیخ حقوق کی اہمیت کی تائید سیاسی اداروں اور قوانین، اور ان کے تحفظ اور کے ذمہ دار معاشرہ اور ثقافت، میں ناقابل تحلیل حد تک منسلک ہے۔ اعلان آزادی ایک نمایاں جمہوری اصول کا اضافہ کرتا ہے: ناقابل تنسیخ حقوق کے تحفظ کی اہل حکومتوں کی جڑیں عوام میں گہرائی تک موجود ہوتی ہیں: "وہ اپنے جائز اختیارات رعایا کی رضامندی سے حاصل کرتی ہیں۔"

تاہم اعلان آزادی کسی بھی نوعیت کی صورت کی تشریح نہیں کرتا جو کسی حکومت کو اختیار کرنا لازمی ہونی چاہئے۔ درحقیقت اس میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ عوام کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ایسی صورت میں حکومت کی تشکیل کریں جو ان کی نظر میں ان کے تحفظ اور خوشی کو فروغ دینے کے قابل ہو گی۔ اس ضمن میں اعلان آزادی ناقابل تنسیخ حقوق کی حفاظت کے ذمہ دار قوانین اور سیاسی اداروں میں ناگزیر تنوع کی اہمیت کو تسلیم کرتا ہے۔ اگرچہ یہ دستاویز کسی بھی قوم کو اپنا طرز حکومت کسی اور قوم پر مسلط کرنے یا اندرونی معاملات میں مداخلت کا حق نہیں دیتا لیکن یہ تاکید ضرور کرتا ہے کہ سب قوموں کے سیاسی اداروں اور قوانین کی پرکھ دراصل مختلف مقامات پر انسانوں کو حاصل حقوق کے تحفظ کی صلاحیت کی روشنی میں کرنی چاہئے۔

یہ بات کہنا کہ حق 'جیسا کہ بانی رہنماؤں نے اسے سمجھا' ناقابل تنسیخ اور ناقابل انتقال ہوتا ہے' اس امر کا اظہار ہے کہ حق کو ہماری انسانیت سے جدا نہیں کیا جا سکتا اور اس طرح اسے دوسری نوعیت کے حقوق سے ممتاز نہیں کیا جا سکتا ہے۔ ناقابل تنسیخ حقوق - جن کو بعض مرتبہ ابتدائی عرصہ میں فطری حقوق اور آجکل انسانی حقوق کہا جاتا ہے، اور مثبت حقوق کے درمیان بنیادی فرق ہے۔

ناقابل تنسیخ حقوق عالمگیر اور ناقابل انتقال ہوتے ہیں۔ وہ اس لحاظ سے سیاست کے معرض وجود میں آنے سے بھی قدیم ہیں کہ معاشرے کے افراد ان کو تخلیق نہیں کرتے بلکہ وہ خود سیاست کے معیار قائم کرتے ہیں۔ ان حقوق کا وجود حکام کے عزم و استقلال کا مرہون منت نہیں ہے یا مختلف رسوم و رواج کی تعمیل پر نہیں ہے بلکہ ان کا وجود ہماری انسانیت کے بنیادی اوصاف سے ہے۔ حقوق کو محض رواج، قانون یا ترجیح کی بنیاد پر قائم نہیں کیا جاتا۔ انسان کبھی بھی اپنے پیدائشی حق سے محروم نہیں ہوتے۔ البتہ ان کی خلاف ورزی ہو سکتی ہے - کیونکہ ایسے حقوق انسان کی فطرت میں شامل وقار اور آزادی کی صلاحیت کے لیے لازمی ہیں۔

اس کے برعکس مثبت حقوق کی تخلیق صرف سول سوسائٹی کرتی ہے اور یہ صرف اسی میں وقوع پذیر ہو سکتے ہیں۔ مثبت حقوق کا وجود روایت اور رواج اور مثبت قانون کے مرہون منت ہے جو افراد وضع کرتے ہیں۔ جیسا کہ ہر ملک کی روایات، رسومات اور مثبت قانون مختلف ہوتے ہیں اس لیے مثبت حقوق بھی مختلف ہوتے ہیں۔ ایک ہی ملک میں مثبت حقوق کے ارتقاء میں صدیوں کا عرصہ لگ سکتا ہے، وہ کسی خاص موقع پر قانون سازی کے ذریعہ قابل تخلیق ہیں اور حکام کے فیصلوں کے مطابق ان پر نظر ثانی یا اُن میں ترمیم کی جا سکتی ہے۔

تاہم مثبت حقوق کو عالمگیر قرار نہ دینا کسی بھی صورت میں اُن کی اہمیت کی نفی نہیں ہے یا اُن کو وہ پیدائشی حقوق سے مختلف کہنے کا مطلب اُن کو سیاسی اُمور میں ایک دوسرے سے منسلک قرار دینے سے انکار نہیں ہے۔ ناقابل تنسیخ حقوق وہ معیار فراہم کرتے ہیں جس کے ذریعہ سے مثبت حقوق اور

مثبت قانون کی جانچ پڑتال کی جاسکتی ہے جبکہ مثبت حقوق اور مثبت قانون ناقابل تنسیخ حقوق کو اظہار بیان اور اشد ضروری قرار دے کر اُن کی میثاق کو مضبوط بناتے ہیں۔ امریکی سیاسی روایات اس امر کا مظہر ہیں: اعلان آزادی میں بیان کردہ ناقابل تنسیخ حقوق کا آئین میں تحفظ کیا گیا ہے، جو کہ مخصوص لوگوں کی کاوش ہے۔

حقوق چاہے پیدائشی ہوں یا مثبت وہ خلا میں واقع نہیں ہوتے۔ ان سے ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، جس کا آغاز دوسروں کے حقوق کا احترام کرنے کی ذمہ داری سے ہوتا ہے۔ مزید برآں، حقوق معاشرے کی جانب ہمارا رجحان پیدا کرتے ہیں کیونکہ وہ ساتھی افراد کے ساتھ ہمارے تعلقات پر اثر انداز ہوتے ہیں اور انسانی معاشرہ میں اُن کا بہترین تحفظ اور موثر استعمال ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ بانی رہنماؤں کے نقطہ نظر کی رُو سے ناقابل تنسیخ حقوق کا حاصل کرنا اور حفاظت کرنا مفاد عامہ کی اہم ترین خصوصیت ہے۔ حقوق کے موثر انداز میں استعمال کا انحصار نیک اوصاف یا ذہن اور کردار کی بعض خصوصیات پر ہے؛ بشمول ضبط نفس، عملی بصیرت اور حوصلہ جن کی مدد سے لوگ آزادی سے مستفید ہوتے ہیں' دوسروں کے حقوق کا احترام کرتے ہیں اور اپنی ذات، خاندانوں اور برادریوں کی ذمہ داری اُٹھاتے ہیں اور اپنی حکومت میں مصروف عمل ہو جاتے ہیں۔

اعلان آزادی کے مطابق سیاسی تقاضے کسی بھی انسانی معاشرہ میں قانون و انصاف اور حکومت کے بارے میں رائے دہی کے حوالہ سے فرد کی فطری آزادی پر حدود نافذ کرتے ہیں۔ کسی بھی آزاد معاشرہ میں قوانین ہر ایک کے ضمیر کے مطابق، وسیع تر انسانی سرگرمیوں کے لیے، گنجائش چھوڑتے ہیں ۔اس کے ساتھ ساتھ، افراد سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ جائز طریقے سے وضع کردہ قوانین کی تعمیل کریں گے، جن کا اجراء اتفاق رائے سے تیار کردہ سیاسی نظام سے ہوتا ہے، جن میں وہ قوانین بھی شامل ہیں جن کو وہ احمقانہ اور مفاد عامہ کے منافی بھی سمجھتے ہیں۔

تاہم شہری قوانین کا انصاف جانچنے کے لیے مکمل طور پر اپنی فطری آزادی سے دستبردار نہیں ہوسکتے۔ درحقیقت اعلان آزادی خود کو ایک اور صداقت قائم کرتے ہوئے بیان کرتا ہے کہ اگر "کوئی طرز حکومت ناقابل تنسیخ حقوق کے لیے تباہ کُن ثابت ہوتا ہے تو عوام کو یہ حق حاصل ہے کہ اُس نظام کو تبدیل یا ختم کریں اور نئی حکومت قائم کریں اور اس کی بنیاد ایسے اصولوں پر قائم کریں اور اپنے اختیارات ایسے انداز میں اُستوار کرے جو اُن کے خیال میں ان کی حفاظت اور خوشی پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوتے نظر آئیں۔

امریکہ کی آئینی روایت میں عوام کا حکومت کا بدلنا یا ختم کرنے کا حق لازمی بھی ہے اور بہت زیادہ محدود بھی ہے۔ اگر، جیسا کہ جیفرسن نے تحریر کیا، "بدسلوکی اور غصب کے طویل سلسلہ کا ایک ہی مقصد کے لیے ہمیشہ متحرک ہونا اُن کو مطلق العنانی حکومت کے ماتحت خاموش کرانے کی سازش ہو تو ،" پھر عوام پر یہ واجب ہو گا اور اُن کا عین فرض بن جائے گا کہ ایسی حکومت کو نکال باہر کریں اور مستقبل میں اپنے تحفظ کے لیے نئے نگہبان (حکمران) کا انتظام کریں"۔ تاہم صرف انتہائی سخت اور خوفناک حالات میں، جب کوئی حکومت ناقابل تنسیخ حقوق کے نظریے کی نفی کے مرتکب اقدامات کی وجہ سے اپنا قانونی استحقاق کھو بیٹھتی ہے، تب ہی شہری قانون کی پاسداری کی اُن پابندیوں سے آزاد ہوسکتے ہیں جن کے بطور آزاد معاشرہ کے ارکان کی حیثیت سے انہوں نے خود کو پابند کیا ہوا ہے اور پھر وہ اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے وہ ایک نئی طرز حکومت قائم کرنے میں حق بجانب ہوں گے۔

مقصد ہمیشہ یہ ہونا چاہیئے کہ سیاسی معاشرہ کو ہر صورت میں بحال کیا جائے گا۔ شہری آزادی جو سیاسی معاشرہ کی وجہ سے ممکن ہوتی ہے -یعنی نقل و حرکت کے حقوق' معاہدے اور میثاق طے کرنا' جائیداد کی ملکیت' استعمال کرنا' خرید و فروخت' کسی کی جان اور جائیداد کا تحفظ' فوجداری قوانین کا برابر اطلاق اور عدالت میں منصفانہ اور یکساں برتاؤ- جیسے اقدامات سے ہی لوگ اپنے خاندانوں اور برادریوں میں بحفاظت رہنے اور اپنے ناقابل تنسیخ حقوق استعمال کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔

بانی رہنماؤں کے نظریات کے مطابق ناقابل تنسیخ حقوق میں اہم ترین، جن کے حصول کے لیے حکومت قائم کی جائے، وہ جائیداد کے حقوق اور مذہبی آزادی ہیں۔ اُن دونوں میں سے کسی بھی ایک حق کی تلافی کرنے کا مرتکب سیاسی معاشرہ اپنی قانونی ساکھ سے محروم ہو جاتا ہے۔

بانی رہنماؤں کے زاوایے سے جائیداد کا مطلب نہ صرف غیر منقولہ سامان اور کسی شخص کی محنت کے ثمرات ہیں بلکہ یہ زندگی، آزادی اور خوشی کے حُصول کا بھی احاطہ کرتا ہے۔ فلسفی جان لاک کی پیروی کرتے ہوئے، اُن کا خیال تھا کہ جائیداد کے حقوق کے تحفظ سے سب کو فائدہ پہنچتا ہے، اُس کے نتیجہ میں مصنوعات کی پیداوار اور دوسروں کو مطلوبہ خدمات فراہم کرنے کی ترغیب میں اضافہ ہوتا ہے۔

جائیداد کے حقوق کے صرف مالی فوائد ہی نہیں ہوتے۔ جائیداد کے حقوق کا تحفظ اس لیے بھی مرکزی حیثیت رکھتا ہے کہ اس سے مثبت حقوق کے موثر انداز میں استعمال اور اہلخانہ، معاشرہ اور عبادت میں بھی خوشی کے حصول میں مدد ملتی ہے۔ اپنی محنت، سامان، اراضی، گھر اور دیگر مادی چیزوں پر قبضہ برقرار رکھنے کی صلاحیت کے بغیر کوئی شخص نہ انفرادی حقوق سے لُطف اندوز ہو سکتا ہے اور نہ ہی معاشرہ ایک مشترکہ طرز زندگی اُستوار کر سکتا ہے۔ مزید برآں، مصنوعات کی پیداوار، تبادلہ، تقسیم اور استعمال کے بارے میں ہمارا انتخاب اس بات سے تعلق رکھتا ہے کہ ہم کس قسم کے انسان ہیں یا بننا چاہتے ہیں۔ اہم امر یہ کہ، نجی جائیداد کی ملکیت کے حق سے عمومی طور پر حکومت سے ماورائے حُدود ایسا دائرہ قائم ہوتا ہے جس کے اندر افراد اور اُن کا ترتیب دیا ہوا خاندان یا برادری امن اور خوشحالی کے حالات میں رہ کر میں خوشی کی تلاش کر سکتے ہیں۔

بانی رہنماؤں کی جانب سے خانگی ملکیت کی اہمیت اجاگر کرنے کے نتیجہ میں امریکہ کے سنگ بنیاد کے وقت ہی ساتھی انسانوں سے بطور ملکیت برتاؤ کرنے کے نتیجہ میں ناقابل تنسیخ حقوق کی پامالی کی روکتھام ممکن ہوئی۔ یہ وضاحت بھی ہوتی ہے کہ غلامی کے خاتمہ کے قائل شخصیتوں کا یہ کیوں خیال تھا کہ حق ملکیت کسی کی آزادی کے لیے ایک اہم حیثیت کا حامل ہے: کیونکہ سابقہ غلام صاحب جائیداد شہری بننے کے بعد ہی معاشی خود مختاری اور اپنے ناقابل تنسیخ حقوق سے مستفید ہو سکتے ہیں۔

مذہبی آزادی کو بھی امریکی سیاسی روایت میں اُسی نوعیت کی بطور ناقابل تنسیخ حق اولیت حاصل ہے، جو ریاست کی طاقت پر ایک دیرپا حد مقرر کرتا ہے اور شہریت کے اوصاف کے فروغ کا نگہبان ہے۔ سنہ ۱۷۸۵ء میں جیمز میڈیسن نے اپنی تصنیف "مذہبی جائزوں کے خلاف سوگ اور احتجاج" میں اس نظریے کو قوم سازی کے ابتدائی عرصہ میں بطور مرکزی نکتہ کلاسیکی تشریح دی۔ ورجینا اعلان حقوق میں دی گئی مذہب کی تشریح کا حوالہ دیتے ہوئے میڈیسن نے تحریر کیا کہ "ہم اس بات کو بنیادی اور ناقابل تردید حقیقت تصور کرتے ہیں کہ مذہب یا فریضہ، جو ہم پر اپنے خالق کی جانب سے واجب

ہے، اس کی ادائیگی پر صرف دلیل اور لگن سے ہی درست توجہ دی جاسکتی ہے نہ کہ طاقت یا جبر کے ذریعہ۔ مذہبی امور میں ضمیر کی آزادی اس لیے ناقابل تنسیخ ہے کیونکہ "لوگوں کی رائے، اُن کے اپنے دماغ کی سوچ اور گواہی کے نتائج پر منحصر ہو، وہ دوسرے لوگوں کے زبردستی حکم اور فرمان کے تابع نہیں ہوسکتی۔ اگرچہ حکومت عدم برداشت کا اظہار کرے اور دقیانوسی عقیدے کا نفاذ بھی کرے، تو بھی، میڈیسن کی رائے میں، وہ حکومت کبھی بھی حقیقی مذہبی عقیدہ کو زبردستی ختم یا جائز مذہبی عبادت پر مجبور نہیں کرسکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جبر اور تشدد کے خطرات کے سائے میں ایمان کا اظہار اور رسومات کی ادائیگی، جس میں یقین کامل اور نیک ارادہ شامل نہ ہو، تو اس کو کسی بھی صورت میں حقیقی عبادت تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔

میڈیسن وثوق سے کہتا ہے کہ مذہبی آزادی بھی پیدائشی حق ہے کیونکہ "یہاں پر موجود ہر عمل انسان کا حق اور خدا پاک کی جانب سے فریضہ ہے" کسی شخص کی مذہبی ذمہ داریوں کے مقدار اور گنجائش کا تعین کرنے کے لیے دلیل کے استعمال کا فرض، اُس فرض سے ہم آہنگ ہے جو انصاف کے پیمانے اور گنجائش اور ذمہ داریاں، جو اس پر عائد کرتی ہے، اس کا تعین کرنے کے لیے دلیل کے استعمال سے متعلق ہے۔ ناقابل تنسیخ حقوق کی محافظ حکومتیں اپنے زیر نگرانی رہنے والوں کو اس قابل بناتی ہیں کہ وہ، دوسروں کے حق کی مطابقت سے، یہ تعین اور اس کے حصول کے لیے کام کرسکیں جو اُن کے لیے موزوں، مناسب اور اچھا ہے۔

بعض لوگ غلط طور پر یہ فرض کرتے ہیں کہ آزادی کا تصور اتنا فراخدلانہ ہو کہ نجات اور انصاف کے سرشتہ کے بارے میں بھی شکوک وشبہات چھائے رہیں۔ اگر انصاف کے بارے میں خدا تعالی کی مرضی اور انصاف کے لوازم پہلے سے معلوم ہوں تو پھر لوگوں کو انتخاب کی آزادی کیوں دی جائے۔ درحقیقت اس میں کچھ شک واشتباہ موجود ہے لیکن یہ عقیدہ اور انصاف کے خلاف نہیں بلکہ سرکاری حکام کی صلاحیت کے بارے میں قابل غور اور مدبرانہ سوالات اٹھائے گئے ہیں۔ مذہبی آزادی کے بارے میں میڈیسن کا خیال۔۔ جیفرسن کی جانب سے ورجینیا مذہبی آزادی بل میں بیان کردہ موقف کی طرح۔۔ وجود الٰہی کے نظریہ کے نتیجہ میں پیدا ہوا ہے جو انسانی وقار کے ذرائع سے متعلق ہے حتٰی کہ اس سے ریاست کی اس طاقت کا انکار ہوتا ہے جو وہ حتمی امور کے بارے میں اپنے فیصلہ کن جوابات کو ٹھونسنے کے لیے استعمال کرتی ہے۔

آزادی کی جدید روایت اور انجیل میں موجودہ ورثہ سے استفادہ کرتے ہوئے امریکہ کے بانی رہنماؤں نے مذہبی آزادی کے معاملہ میں خود کو دانشور اور سیاسی نجات دہندگان کی حیثیت سے تصور کیا ہے۔ جب ۱۷۸۷ء میں، اپنی تصنیف "سوگ اور احتجاج" کے دو سال بعد میڈیسن اور اس کے رفقاء نے فلاڈیلفیا آئینی مجلس میں نئے میثاق کا اطلاق کیا کہ اب کے بعد سرکاری دفتروں میں مذہبی امتحان پر پابندی ہوگی، تو امریکہ نے وہ قدم اٹھایا جو دنیا میں کسی بھی قوم نے نہیں اٹھایا تھا۔ ایک سال بعد فلاڈیلفیا ریلی میں امریکہ کے نئے طرز حکومت کی توثیق کا جشن مناتے ہوئے اعلان آزادی کے پر دستخط ثبت کرنے والے ڈاکٹر بینجمن رُش نے جب شہر کے مختلف عقیدوں کے مذہبی رہنماؤں کو ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر چلتے دیکھا تو ان کے تعجب اور مسرت کی کوئی حد نہیں تھی۔ رُش نے اس بات کا اظہار کیا "اس سے زیادہ خوشی کی کوئی علامت نہیں ہوسکتی جس کا آئین میں انتظام کیا گیا' کیونکہ "اس میں طاقت کے تمام تر سرچشمے اور دفاتر کو نہ صرف عیسائیوں کے ہر فرقہ پر کھول دیا بلکہ ہر مذہب کے قابل عزت افراد پر بھی وا کر دیا گیا ہے۔"

صدر جارج واشنگٹن نے اپنی نوزائیدہ مملکت کے لیے نئے راستہ کا انتخاب کیا جس کا اظہار انہوں نے نیو پورٹ کے یہودیوں کے نام ۱۷۹۰ء میں ارسال کیے گئے اپنے خط میں کیا۔ یورپ کے برعکس، جہاں ابھی تک مذہب پر مبنی ذمہ داریاں عائد اور عقیدہ کے عام اظہار کو دبایا جاتا رہا، ریاستہائے متحدہ امریکہ نے لوگوں کو ان کے عقیدہ سے قطع نظر مذہبی آزادی سے مساوی طور پر مستفید ہونے کی ضمانت دی۔ "سب کو ضمیر کی آزادی اور شہریت میں دی گئیں استثنات حاصل ہوں گی"۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ نے مذہبی آزادی کو کراہت سے نہیں بلکہ باوقار انداز میں تحفظ دیا ہے۔

"اب یہ سلسلہ نہیں رہا کہ برداشت یا رواداری کی بات کی جائے تو ایک طبقہ اس سے محروم ہو، جبکہ دوسرا طبقہ اس سے پیدائشی فطری حق کے طور پر استفادہ کرے۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ ریاستہائے متحدہ امریکہ کی حکومت تعصب کی اجازت نہیں دیتی، جبر کی کوئی مدد نہیں کرتی اور اسے صرف اس بات کی ضرورت ہے کہ وہ لوگ جو اس کی پناہ میں رہتے ہیں اچھے شہری ہونے کا مظاہرہ کریں اور حکومت کی تمام مواقع پر موثر حمایت کریں"۔

ب: آئین

سنہ ۱۷۸۷ء میں تحریر ہو کر ۱۷۸۸ء میں نافذ العمل ہونے والے آئین کی اعلیٰ ترین خوبی یہ تھی کہ اعلان آزادی میں توثیق کردہ پیدائشی حقوق کی حفاظت کرنے کی صلاحیت کی حامل منفرد حکومت کا نقشہ تیار کیا جائے۔ آئین تمام شہریوں کے بنیادی حقوق کے متعلق عالمگیر عہد نامہ پر امریکی جمہوریہ کے نمایاں مثبت قانون کی صورت میں عملدرآمد یقینی بناتا ہے۔

آئین کے دیباچہ کے مطابق آئین کے مقاصد متعدد اور گوناگوں ہیں۔ "ہم ریاستہائے متحدہ امریکہ کے عوام، ایک زیادہ کامل یونین کے قیام کی خاطر، انصاف کا قیام، داخلی امن وامان کی ضمانت، مشترکہ دفاع کے لیے بندوبست، عمومی فلاح وبہبود کو فروغ اور اپنے لیے اور اپنی آنے والی نسلوں کے لیے آزادی کی نعمت کے تحفظ اور ریاستہائے متحدہ امریکہ کے آئین کو تشکیل دیتے ہیں۔" اصل آئین کی سات شقوں، جن کو تحریر کرنے اور توثیق کرنے کا عمل بذات خود حکمرانی کے غیر معمولی کام تھے، میں ادارہ جاتی انتظامات کیے گئے ہیں جن کی مدد سے لوگ آزادی اور مساوات کا احترام کرتے ہوئے خود حکومت کرنے کے قابل بنے۔

وہ بنیادی ذریعہ جس سے آئین لوگوں کو ان نعمتوں کو محفوظ کرنے اور حاصل کرنے کے قابل بناتا ہے، ایک ڈھانچہ ہے جو یہ حکومت کو فراہم کرتا ہے اور وہ حدود ہیں جو حکومت پر عائد کرتا ہے۔ محدود اختیارات والی حکومت ناقابل تنسیخ حقوق کی حفاظت کے لیے انتہائی اہم ہے کیونکہ اکثریت کا رجحان انفرادی آزادی کو نقصان پہنچانا ہوتا ہے اور سرکاری افسران مفاد عامہ سے ہٹ کر اپنی نجی ترجیحات اور متعصبانہ خواہشات پر زور دینے پر مائل ہوتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ لوگوں یا سرکاری افسران میں عوامی خدمت کے جذبہ سے بھرپور عمل کرنے کی صلاحیت کی نفی کی جائے لیکن

اس کا مقصد اعلیٰ ذہنی محرکات کی غیر یقینی صورتحال میں، حقوق کے تحفظ کے بارے میں احساس پیدا کرنا ہے۔ اور نا یہ اس کا مطلب اس امر کو نظر انداز کرنا ہے کہ، اپنی حدود میں رہتے ہوئے، حکومت حقوق کی حفاظت کرنے کے لیے مستعدی اور مؤثر طور پر اقدامات کرنے چاہئیں۔

آئین کا پیچیدہ ڈھانچہ کسی بھی اکثریت یا عوامی عہدیدار کی عارضی خواہشات یا لالچ کی روک تھام، سرکاری افسروں اور لوگوں کے جذبات کو ٹھنڈا کرنے اور سیاست کا رخ آئینی طور پر موزوں مقاصد کی طرف موڑنے اور آزاد معاشروں میں عمومی طور پر مختلف طبقوں کے درمیان لازمی طور پر پیدا ہونے والی رنجشوں کے تصفیہ اور مصالحت کی ترغیب دیتا ہے۔ اس پس منظر میں دیکھا جائے تو طرز حکومت اگر اعتدال پسند ہو تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ بے عمل یا سست روی کا شکار ہو گئی ہے، درحقیقت آئین کے خاکہ کا مقصد ہی تمام تر توانائی کو حقوق کے اظہار کی راہ پر چلانا ہوتا ہے۔

وسیع تر غور و خوض اور پیچیدہ مذاکرات کے نتائج کے بعد قیام میں آنے والا امریکی میثاق مختلف اقسام کے ادارہ جاتی انتظامات کو۔۔ بشمول بعض قرون وسطیٰ، بعض نسبتاً جدید عرصہ خاص سے اور کچھ دونوں کے امتزاج سے۔۔ شامل کر کے حکومتی اقدامات کو پابند کرتے ہوئے حقوق کا تحفظ کرتا ہے۔ ان میں وفاقی حکومت کے جائز اختیارات کا شمار کرنا' اختیارات کی تقسیم اول ریاست اور وفاقی اداروں کے درمیان اور بعد میں حکومت کی تین شاخوں کے مابین یعنی وحدانی انتظامیہ' دوایوانی مقننہ' ایک خود مختار عدلیہ، اور اصل آئین کے نافذ العمل ہونے کے تین سال بعد اضافہ کردہ بل آف رائیٹس شامل ہیں۔

ان میں سے بعض پر غور کریں۔ آئین حقوق کا تحفظ اس انداز سے کرتا ہے کہ وہ حکومت کے اختیارات کے استعمال کو مخصوص حلف ناموں سے مشروط اور مقاصد کی پاسداری کے مقاصد سے استعمال کرنے تک محدود کرتا ہے۔ مثال کے طور پر آئین اظہار آزادی کی حفاظت کرتے ہوئے کانگریس کو ایسے قوانین منظور کرنے کا اختیار نہیں دیتا جو عقیدہ، تقریر اور اشاعت پر پابندی نافذ کریں۔ ایک اور طریقہ جس سے آئین آزادی کے لیے حکومت کی حد مقرر کرتا ہے، وہ وفاقیت ہے، جو کہ قومی حکومت اور ریاستی حکومتوں کے درمیان اختیارات کی تقسیم کرتا ہے۔ حکومت کی ہر سطح کے اپنے اختیارات اور فوائد ہیں۔ آئین، نافذ کردہ قوانین کے ساتھ اور وفاقی حکومت کی جانب سے آئین کے تحت توثیق کردہ معاہدوں کی توسط سے "مملکت کا سب سے بلند و بالا قانون ہے۔"

اس کے ساتھ آئین، ان ریاستی حکومتوں کو جو ووٹروں کے قریب ہیں کھلی چھٹی دیتا ہے کہ وہ عوام کی عمومی فلاح و بہبود کے لیے قانون سازی کر سکتی ہیں۔ اس سے ہر ریاست میں اکثریتی جماعتوں کو قوانین وضع کرنے کی اجازت ملتی ہے جو ان کے لوگوں کے مفاد کے لیے زیادہ موزوں ہوں، جو "جمہوریت کے تجربہ گاہوں" کی حیثیت سے خدمت بجالاتی ہیں، جیسا کہ سپریم کورٹ کے جسٹس لوئی برینڈیز نے بیسویں صدی میں فرمایا تھا۔ اس بات کو لازمی تسلیم کر لینا چاہیے کہ ریاستوں کے حقوق کے پرچم تلے ریاستوں نے وفاقیت کے تصور کی آڑ میں غلامی کو بچانے اور امتیازی پالیسی کو طول دینے کے لیے ناجائز فائدہ اٹھایا ہے۔ تاہم طویل عرصہ سے امریکی حکومت اور ریاستی حکومتوں کے مابین آئینی طور پر اختیارات کی تقسیم نے ملک بھر میں افراد اور طبقات کو غیر معمولی درجہ تک اپنے فہم کے مطابق خوشی کے حصول کی اجازت دی ہے۔

تیسرا طریقہ جس سے آئین عوامی حقوق کے تحفظ کے مقصد سے حکومت کا اختیار محدود کرتا ہے وہ سیاسی اختیارات کی تین نمایاں شاخوں میں تقسیم ہے، جس کی بدولت وہ ایک دوسرے پر تحدید و توازن رکھ سکتی ہیں۔ مثلاً کوئی بھی قانون وضع کرنے کے لیے قانون ساز برانچ کو صدر کے دستخط کی ضرورت پڑتی ہے، جس کی ذات میں انتظامیہ کے اختیارات کو تفویض کیا گیا ہے، یا اس مقصد کے لیے کانگریس کے دونوں ایوانوں میں واضح اکثریت لازمی ہونی چاہیے۔ جنگ شروع کرنے کے لیے صدر کو، جو کہ مسلح افواج کا کمانڈر ان چیف ہوتا ہے، جنگ کا اعلان کرنے اور فنڈز کی فراہمی کے لیے کانگریس پر انحصار کرنا پڑتا ہے، کانگریس کے پاس اختیار ہے کہ وہ مالی امداد فراہم یا روک سکتی ہے۔ سپریم کورٹ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ کسی بھی ایسے غیر آئینی قوانین کو روک سکتی ہے جن کو کانگریس نے باقاعدہ طور پر وضع کیا ہو اور صدر نے ان پر دستخط کر دیئے ہوں، باوجود اس حقیقت کہ صدر وفاقی عدلیہ کے ججوں کو نامزد کرتا ہے اور سینیٹ ان کی توثیق کرتا ہے۔ اس نوعیت کی جانچ پڑتال سے بھرپور سرشتہ کا مقصد کسی ایک برانچ کے اراکین کو اس قابل بنانا ہے کہ وہ کسی دوسری برانچ کی جانب سے عوامی حقوق غصب کرنے کی نیت سے طاقت اکٹھی کرنے کی کوشش ناکام بنا سکے۔

تاہم محض محتاط ادارہ سازی سے ناقابل تنسیخ حقوق اور ان کے ذریعہ حاصل کئے گئے دیگر مثبت حقوق کا تحفظ ممکن نہیں ہے۔ نیکی عامہ، جس کا مطلب فلاح عامہ کے لیے ذاتی مفاد پر ضابطہ لانا، بھی نہایت ہی ضروری ہے۔ لہذا شہری اور جمہوریہ کے تجربہ کی اہمیت، ملک کے قصبوں پر عوامی حکومت، مضبوط خاندانوں، مذہبی طبقوں، شہریوں اور ریاست کے درمیان موجود متعدد ضاکار اداروں پر مبنی ہے۔ یہ ادارے اور تنظیمیں کردار کی اصلاح کو بھی فروغ دیتے ہیں، بشمول جس کے بارے میں الیکس ڈی ٹوکیو بل نے اپنی تصنیف بعنوان "امریکہ میں جمہوریت" میں تحریر کیا تھا کہ "ذاتی مفاد کی افہام تفہیم"، جس میں ذاتی نظم و نسق اور کسی بھی مقصد کے حصول کے لیے لازمی طور پر درکار مہارتیں شامل ہیں۔

آئین کی تشریح کے بارے میں تصنیف بعنوان "دی فیڈرلسٹ" میں جیمز میڈیسن نے آزاد اور جمہوری حکومت میں امریکی تجربہ اور اس کے شہریوں کے اخلاق اور استعداد پر انحصار کو نمایاں طور پر بیان کیا ہے۔ زیادہ حصہ میں، دی فیڈرلسٹ نے اس بات کی وضاحت پر توجہ مرکوز کی ہے کہ کیسے نئی حکومت ادارہ جاتی انتظامات کو شامل کرتی ہے جو آزادی اور جمہوریت کی کمزوریوں کا ادراک جمہوریت اور آزادی سے ہم آہنگ معیاری اصولوں کے مطابق کرتے ہیں۔ "یونین کی وسعت اور موزوں ڈھانچہ" کے دس نمبر پر میڈیسن نے لکھا ہے کہ جمہوری حکومت کو لاحق بیماریوں کا علاج جمہوری طریقہ سے ممکن ہے۔ "میڈیسن فیڈرلسٹ نمبر ۵۱ میں زور دیتا ہے کہ ادارہ جاتی اقدامات محض احتیاطی تدابیر ہیں کیوں کہ "عوامی طاقت پر انحصار ہی بلاشبہ حکومت کو قابو میں رکھنے کے لیے بنیادی امر ہے"۔ حقوق کے تحفظ کی کاوشوں کو، شہریوں کی۔۔ ذاتی یا عوامی۔۔ نیک خصلتوں سے الگ نہیں کیا جا سکتا، اور اُن کو اپنے منتخب نمائندوں کا لازمی احتساب کرنا چاہئے۔

میڈیسن کتاب کی ۵۵ ویں قسط میں آزادی کا تحفظ کرنے اور شہریوں کے اخلاق کے مابین صحیح ربط کی اہمیت بیان کرتا ہے۔ جبکہ انسانی فطرت کی کمزوریوں کو تسلیم کرتے ہوئے وہ شہریوں کی خوبیوں کے لیے صلاحیت اور آئین کی ضرورت پر بھی زور دیتا ہے: "کیونکہ نوع انسان میں ایک حد تک محرومی ہوتی ہے جس کے لیے کسی حد تک عاقبت اندیشی اور عدم اعتمادی کی گنجائش ہے، چنانچہ انسانی فطرت میں دوسری خوبیاں موجود ہوتی ہیں جس

سے عزت و وقار اور اعتماد کے ایک حصہ کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ جمہوری نظام حکومت میں، کسی دوسرے نظام حکومت کی نسبت زیادہ، ان خوبیوں کا خیال پہلے سے پایا جاتا ہے۔ جبکہ بادشاہت کا زیادہ دارومدار ایک شخص کی خوبیوں پر ہوتا ہے اور نظام اشرافیہ میں چند لوگوں پر انحصار ہوتا ہے ایک نظام جمہوریہ۔۔یعنی ناقابل تنسیخ حقوق میں گہرائی سے پیوستہ عوامی نمائندہ سرکار، لوگوں کی خوبیوں پر انحصار کرتی ہے کیونکہ تمام شہری عوامی حکمرانی کے نظام کی ذمہ داریوں میں شریک ہوتے ہیں۔

جبکہ اس بات کو تسلیم کرتے ہوئے کہ اچھائی حقوق کی حفاظت کے لیے ناگزیر ہوتی ہے' آئین سازوں کا مقصد اعلیٰ ترین اخلاق پر انحصار کو کم سے کم کرنا تھا۔ میڈیسن کی قیادت میں انہوں نے حکومت کا ایسا خاکہ تیار کیا جس کو انفرادی آزادی کے تحفظ کے لیے توانائی اور آئینی ذرائع حاصل ہوں گے لیکن اس میں اتنے اختیارات اور حد سے بڑھ کر آزادی نہیں دی جاتی کہ عوام کے حقوق کو مفلوج کر سکیں۔ جیسا کہ الیگزینڈر ہیملٹن نے فیڈرلسٹ قسط نمبر ۸۴ میں اس بات کی دلیل دی کہ "آئین معقول معنی میں اور ہر مفید مقصد کے لحاظ سے خود قانون برائے فراہمی حقوق ہے"۔ حقوق کے قانون کے بارے میں ہملٹن کا خیال تھا کہ آئین کا ڈھانچہ، لوگوں کے ناقابل تنسیخ حقوق اور مثبت حقوق دونوں کا تحفظ کرنے کے لیے، مراعات اور استثنیٰ کی کسی باقاعدہ فہرست کی نسبت بہت کچھ کرے گا۔

تاہم ۱۷۹۱ء میں آئین کی توثیق کے تین سال بعد نوزائیدہ قوم نے اس میں حقوق کے قانونی بل کا اضافہ کیا۔ آئین میں کی گئی پہلی دس ترامیم میں حقوق کی جو تشریح کی گئی ہے اس سے حکومت کے اختیارات پر عائد حدود کی علامتی عظمت اور مضبوط حمایت کا اظہار ہوتا ہے، جو آئین کے بنیادی ڈھانچہ میں شامل ہیں۔ انہوں نے اس سے بھی زیادہ کام کیا۔ حکومت کے اندھا دھند عمل کے خلاف اصل آئین کی حفاظتی اقدامات کو مضبوط اور مستحکم بنا کر انہوں نے جمہوری سیاست کے لیے کافی زیادہ گنجائش کو یقینی بنایا۔ قانون برائے حقوق میں حکومت کی زیادتیوں کے خلاف دی گئیں ضمانتیں، اس کے ساتھ عمومی حفاظتی اقدامات جن کو آئینی ڈھانچہ میں شامل کیا گیا ہے، انہوں نے تمام شہریوں کی شرکت کی اجازت دی، جس کے بغیر حکومت سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ قانون کے تحت آزادی کے حفاظت کر سکے گی۔

مذہبی آزادی کی حفاظت کے بارے میں آئین کی پہلی ترمیم میں نہ صرف مختلف مذہبوں اور عبادت کے طریقوں کے لیے رواداری کو فروغ دیا گیا ہے بلکہ تمام مذہبوں کے تمام افراد کو بحیثیت مکمل شہری خیر مقدم کیا گیا ہے۔ تقریر، تحریر، پرامن اجتماع کی آزادی اور حکومت کے بارے میں اس کی ضمانتوں اور سرکاری امور کے بارے میں قانونی چارہ جوئی نے شہریوں کو تبادلہ خیال' کسی کی بات سننے اور اپنی بات سنانے اور اپنے رہنماؤں کی عوامی جانچ پڑتال کی سامنے پیش کرنے کے لیے مختلف النوع خیالات کا اظہار کرنے کا موقع دیا گیا ہے۔ حمایت اور تنقید کے مسلسل باہمی عمل کے ذریعے شہری اس دن کے اہم معاملہ پر مدلل خیالات تشکیل دینے کے لیے درکار ضروری معلومات حاصل کر سکتے ہیں تاکہ اپنے نمائندوں کا انتخاب کر سکیں اور اس بات کا تعین کر سکتے ہیں کہ نمائندگان کب ان کی حمایت سے محروم ہو گئے ہیں اور انہیں لازمی طور پر تبدیل کر دینا چاہیئے۔

اسی طرح آئین میں دوسری ترمیم جو "لوگوں کا اسلحہ رکھنے اور اٹھانے کے حق" کے بارے میں ہے اور یہ 'ایک بہتر منظم ملیشیا" سے متعلق ہے، یعنی ایک مقامی ادارہ جو معاشرہ کی حفاظت کے لیے تشکیل دیا گیا جائے۔ امریکی روایت میں ذاتی دفاع کا حق 'شہریوں میں خود اعتمادی کی عادت پیدا کرتا ہے اور ساتھ ہی ظالم حکومت سے تحفظ فراہم کرتا ہے۔

آئین میں تیسری ترمیم، جو آٹھویں ترمیم کے ذریعے عمل میں لائی گئی، افراد کی جانب سے معاشرہ کا حصہ بننے کی صلاحیت اور نجی اور عوامی زندگی میں ذمہ داریاں ادا کرنے کو یقینی بناتی ہے۔ تیسری ترمیم میں چادر و چہار دیواری کے تقدس کی حفاظت کی گئی ہے اور حکومت کو حالات امن اور دوران جنگ میں گھروں پر فوجی مقاصد کے لیے غیر قانونی قبضہ کے اقدامات سے روکا گیا ہے۔ چوتھی ترمیم عوام کی "غیر مناسب تلاشی لینے اور املاک کی ضبطگی" سے تحفظ اور بلاجواز گرفتاری سے بچاتی ہے۔ پانچویں ترمیم اس بات کی ضمانت دیتی ہے کہ کسی بھی شخص کو "زندگی، آزادی یا جائیداد سے مناسب قانونی کارروائی کے بغیر محروم نہیں کیا جاسکتا" اور سرکاری استعمال کے لیے نجی جائیداد کو "جائز تلافی کے بغیر "قبضہ میں لینے سے منع کرتی ہے۔ چھٹی ترمیم اور ساتویں ترمیم میں دی گئیں ضمانتیں جیوری کی طرف سے فوجداری مقدمات کی سماعت کے بارے میں ضمانت دیتی ہیں جو ساتھی شہریوں اور معاشرہ کی بھلائی کے لیے کلیدی اہمیت کی حامل مذاکرات اور فیصلوں میں شریک باعلم اور ذمہ دار شہریت کو یقینی بناتی ہیں۔ ایسی شہری آبادی زندگی، آزادی اور خوشی کی جستجو کے بارے میں حقوق کو عقلمندی سے استعمال کرنے کی زیادہ صلاحیت کی حامل ہے۔ آٹھویں ترمیم یہ وعدہ کیا گیا ہے کہ قید اور سزا الزامات اور عدالتی تحقیقات کی مناسبت سے سنائی جائیں گی۔

نویں اور دسویں ترمیموں میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ نہ تو قانون برائے حقوق اور نہ ہی آئین، جس کا وہ حصہ ہے، جامع ہیں۔ نویں ترمیم میں لوگوں کے پاس بے شمار حقوق کے استحقاق کی توثیق جبکہ دسویں ترمیم ریاست یا لوگوں کو مختص کیے گئے اختیارات کے دعویٰ سے متعلق ہے جس سے ایک آزاد معاشرہ میں سیاست کے ظہور سے قبل کے حقوق پر شہریت کے انحصار کی اہمیت واضح کی گئی ہے، جہاں سے لوگوں کے قبل از سیاسی ارتقاء اختیارات اخذ کیے گئے ہیں۔ ان ترامیم میں حقوق کی رسائی اور سیاسی طاقت کی وسعت سے متعلق تشریح کے نہ ختم ہونے والے کام کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی ہے۔ یہ کام حکومت کی تمام شاخوں اور عوام کی ذمہ داری بنتا ہے، جن سے تمام سیاسی طاقت اخذ کی جاتی ہے اور جن کے حقوق کی خاطر اس کو جائز طریقے سے استعمال کیا جاتا ہے۔

جون ۱۷۸۹ء میں میڈیسن نے قانون برائے حقوق کے حق میں کانگریس میں تقریر کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا تھا کہ مختلف ماخذ ہونے کے باوجود، آزادی مختلف قانون روایتوں اور تمام انسانیت سے وابستہ حقوق پر مبنی مثبت حقوق کی تشریح کا عمل ہے۔ اس نے اس بات کا اظہار کیا کہ "جیوری کی طرف سے مقدمہ کی کارروائی" کو "ایک فطری حق تصور نہیں کیا جاسکتا لیکن یہ ایک ایسا حق ہے معاشرہ کے افعال کو نظم وضبط میں لانے کی خاطر معاشرتی کارروائی کا نتیجہ ہے، تاہم لوگوں کی آزادی کی حفاظت کرنے کے لیے یہ حق بھی انتہائی اہم ہے جتنا کہ فطرت کی جانب سے عطا کردہ دیگر حقوق میں سے کوئی ایک۔

ج: لنکن کی اعلان آزادی کی جانب واپسی

بل آف رائیٹس (قانون برائے فراہمی حقوق) کی جانب سے تحفظ اور وفاقی حکومت کی تشکیلی خصوصیات کے باوجود، اصل آئین نے غلامی کو قانونی تحفظ دے کر ناقابل تنسیخ حقوق کی فراہمی میں ناکام رہا۔ اگرچہ دور تاسیس میں مخالفت کے باوجود، موسم گرما ۱۷۸۷ء میں فلاڈیلفیا اجلاس میں نیا حکومتی میثاق ترتیب دینے کے مقصد سے جمع رہنماؤں پر واضح ہو گیا کہ آئین کی توثیق اور یونین کا وجود اس وقت تک برقرار نہیں رکھا جا سکتا جب تک غلامی کے ادارہ کی اجازت نہ دی جائے۔ اس سمجھوتے کی بصیرت پر آج تک بحث کی جا رہی ہے۔ تاہم، اس سمجھوتے نے اگرچہ غلامی کو تو قانونی تحفظ فراہم کیا تاہم اس کے نتیجہ میں وہ سیاسی بنیاد پیدا ہوئی جس کے ذریعہ ریاستہائے متحدہ امریکہ بالآخر غلامی کے خاتمہ میں کامیاب ہو گیا اور قانون میں نسلی امتیاز کے بغیر مساوی برتاؤ کو نافذ کیا گیا۔

آئین اپنے متن کی تین شقوں میں غلامی کا حوالہ دیتا ہے۔ ایوان نمائندگان میں نمائندگی کی خاطر حصہ مقرر کرنے اور براہ راست ٹیکس عائد کرنے کے لیے آرٹیکل نمبر ایک کے سیکشن دوئم میں "آزاد افراد"، جن میں سے ہر ایک کو واحد تصور کیا جائے گا" دیگر افراد"، جن میں سے ہر ایک تین پانچواں شمار کیا جائے گا، کے مابین امتیاز کیا گیا ہے۔ (اس کا مقصد اُن ریاستوں کی سیاسی نمائندگی میں تخفیف کرنا تھا جن کے پاس آبادی کا کچھ حصہ غلاموں پر مشتمل تھا)۔ شق اول سیکشن نو میں صادر کیا گیا کہ "ایسے افراد کی نقل و حمل یا درآمد کسی بھی ریاست میں پائی جاتی ہے تو ۱۸۰۸ء تک اس کا اقرار کیا جائے (جب کانگریس نے غلاموں کی تجارت کو غیر قانونی قرار دے دیا)" اور شق چہارم کے سیکشن دوئم میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ "کوئی شخص اگر ریاست میں اس کے قوانین کے تحت خدمت یا بیگار کے لیے گرفتار ہوتا ہے،" اور وہ بھاگ کر دوسری ریاست میں چلا جاتا ہے تو مطالبہ کرنے کی صورت میں اسی فریق کو واپس لوٹانا چاہیئے جس کے لیے اس پر کام کرنا واجب ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اگرچہ آئین کی ان شقوں نے انسانوں کو بطور ملکیت رکھنے کی آئینی منظوری دی تھی تاہم آئین سازوں نے دانستہ طور پر "غلام" اور "غلامی" کے الفاظ استعمال کرنے سے گریز کیا۔ غلامی کا مختصر ذکر کر کے یا ملائم الفاظ کا انتخاب کر کے آئین میں بھونڈے انداز سے دوسرے لوگوں پر حق ملکیت اور ناقابل تنسیخ حقوق کے مابین بدترین تنازعہ کی توثیق کی گئی، جس پر امریکی تجربہ قائم تھا۔

غلامی کے ساتھ سمجھوتے کی وجہ سے بہت سے لوگوں نے آئین امریکہ کو ہولناک طور پر ناقص قرار دیا ہے۔ ۱۸۵۴ء میں چارجولائی کی ریلی میں غلامی کے خاتمہ کے ممتاز حامی ولیم لائڈ گیریسن آئین کی مذمت کی اور اس کو "موت کے ساتھ ایک عہد نامہ اور جہنم کے ساتھ ایک معاہدہ" قرار دیا اور کہا کہ "خدا کے سامنے اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں۔"

دوسروں نے اس بات پر زور دیا کہ آئین میں غلامی کے خاتمہ کے بیج موجود ہیں۔ شروع میں سابق غلام، فریڈرک ڈگلس نے گیریسن سے اتفاق کیا۔ بعد ازاں چارجولائی کی اپنی تقریر میں، اس نے کہا کہ اِس دستاویز میں میرے خیال میں کسی بھی نفرت انگیز فعل کو نہ تو جائز قرار دیا گیا ہے، نہ اُس کا اجازت نامہ ہے اور نہ ہی منظوری لیکن اس کی تشریح کی گئی جیسا کہ کہ اس کی تشریح ہونی چاہیئے تھی۔ آئین ایک شاندار دستاویزِ آزادی ہے۔" آیا وہ بیان

جذباتی تھا یہ نہیں لیکن اپنی باقی ماندہ زندگی میں ڈگلس غلامی کے خاتمہ اور سیاہ فام امریکیوں کے لیے امریکہ کے تاسیسی اصولوں کے بنیاد کے اندر رہ کر مساوی حقوق کی حمایت میں دلائل دیتے رہے۔

ابراہم لنکن نے بڑے وثوق سے یہ کہا کہ آئین اور اس کے اخلاقی اور سیاسی وعدوں نے غلامی کے خاتمہ میں فیصلہ کُن مدد مہیا کی۔ امریکہ کی تاسیس کے وقت قائم غلامی کے بارے میں انہوں نے ۱۸۵۸ء میں سپرنگ فیلڈ، ایلی نوئے کے مقام پر کہا کہ "یہ حتمی طور پر معدوم ہونے کی راہ پر ہے۔" لنکن کے مطابق اس کی کلید اعلان آزادی میں حقوق کی جانے والی توثیق تھی جو تمام افراد کو مساوی طور پر حاصل تھے۔ اعلان آزادی پر تمام دستخط کنندگان، لنکن نے ایک سال پہلے وضاحت کی تھی، کہ "کا مطلب غلط بیانی پر اصرار کرنا نہیں تھا کہ وہ کہتے کہ اس وقت سب لوگ مساوی حقوق سے لطف اٹھا رہے تھے یا پھر یہ کہ ہم ان کو فوری طور عنایت کرنے والے ہیں۔ بہر حال بانی رہنماؤں کو کسی بھی صورت میں ایسی کوئی عنایت کرنے کا اختیار بھی حاصل نہیں تھا۔ ان کا مطلب محض حق کے وجود کا اعلان کرنا تھا تاکہ اس کے بعد جتنی تیزی سے، اگر حالات اجازت دیں تو، اس کی فراہمی کا لائحہ عمل نفاذ کیا جا سکے۔" بانی رہنماؤں کا ارادہ تھا کہ "آزاد معاشرہ کے لیے ایک معیاری انصاف پسند اصول قائم کیا جائے جو سب کے لیے مانوس ہو اور سب کی طرف سے اس کی متواتر عزت واحترام کیا جائے، جس پر نظر رکھی جائے، جس کے لیے مسلسل محنت کی جائے اور اگرچہ وہ کامل صورت میں حاصل نہ کیا جا سکے تو بھی قریب تر پہنچا جائے تاکہ اُس کے اثرات کا فروغ اور گہرائی مسلسل بڑھتی رہے اور ہر جگہ تمام رنگوں کے سب لوگوں کے لیے خوشی اور زندگی کی اہمیت میں اضافہ ہو۔

۱۸۶۳ء میں صدر لنکن نے گیٹسبرگ کے مقام پر جان قربان کرنے والے فوجیوں کی یاد میں اپنی سنجیدہ، مختصر جامع اور بصیرت افروز خطاب میں امریکہ کے ناقابل تنسیخ حقوق کے ساتھ تعلق میں تبدیلی کا تذکرہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ ۸۷ سال قبل ہمارے بڑوں نے ایک براعظم، نئی قوم، آزادی کے تصور میں پیوستہ اور تمام انسانوں کی مساوات کی نسبت کی بنیاد پر تشکیل کی۔ لنکن نے قوم پر اپنے اصل اہم مقصد کے حصول کے لیے جستجو پر زور دیا۔ غلامی کے تنازعہ پر خانہ جنگ میں الجھی ہوئی قوم کو انفرادی آزادی اور انسانی مساوات کی تصدیق سے بڑھ کر آگے جانے کی ضرورت تھی۔ قوم پر ان کو حاصل کرنے کی ذمہ داری عائد ہوتی تھی۔ لنکن نے قوم کو پکارا کہ وہ آگے بڑھ کر نامکمل جدوجہد کو پایہ تکمیل تک پہنچائے، جس کو ہمارے فوجیوں کی لازوال قربانیوں نے جانب منزل گامزن کیا، انہوں نے قوم کو عظیم کام سے لگاؤ پیدا کرنے کو کہا جو "ہمارے سامنے باقی ہے"۔ وہ عظیم کام اس بات کو یقینی بنانے پر مشتمل تھا "کہ یہ قوم تختِ خدائی کے زیر سایہ آزادی کو نئے سرے سے حاصل کرے اور لوگوں کی حکومت ہو، جس کو لوگ چلائیں، لوگوں کے لیے ہو اور زمین سے فنا نہیں ہو"۔ امریکہ کی آزاد اور جمہوری حکومت کی حفاظت کرنے کے لیے لوگوں کے لیے لازمی ہو گا کہ وہ سیاست میں حصہ لیں اور ہر شخص کے لیے آئین کے دائرہ کے تحت پیدائشی حقوق کو حاصل کرنے کے لیے قانون میں اصلاح کریں جو کہ تمام افراد کو حاصل ہیں۔

۱۸۶۵ء کے موسم بہار میں یونین کی فتح کے پیش نظر قوم نے آزادی کے ساتھ لگن کو اظہار آئین میں تین مرتبہ ترمیم کر کے کیا۔ تیرہویں ترمیم (۱۸۶۵ء) کے توسط سے غلامی کا خاتمہ ہو گیا۔ چودھویں ترمیم (۱۸۶۸ء) کے تحت شہریت کا پیدائشی حق قائم کیا گیا اور تمام افراد کے لیے جائز طریقہ کار اور قوانین کے تحت مساویانہ تحفظ فراہم کیا گیا۔ پندرھویں ترمیم (۱۸۶۹ء) میں نسل کی بنیاد پر حق راہ دہی میں شرکت کی نفی کو ممنوع قرار دیا گیا۔ تعمیر نو کی ان تمام تینوں ترامیم سے وفاقی حکومت کے اختیارات میں خاطر خواہ اضافہ ہوا اور حکومت کو بالصراحت ان حقوق کے حصول کے لیے، جن کا انہوں نے اعلان کیا تھا، ذمہ دار بنا دیا۔ ان تینوں ترامیم نے آئین کو ناقابل تنسیخ حقوق کی منزل کے حصول کے نامکمل کام سے جوڑ دیا، جن کو قوم کے بانیوں نے واضح قرار دیا تھا۔

د- بعد از خانہ جنگی اصلاحات

۱۹۲۰ء میں پایہ تکمیل پہنچنے والی خواتین کو حق راہ دہی میں شامل کرنے کی طویل جدوجہد ۱۹ویں ترمیم کے ساتھ مکمل ہوتے ہی خود امریکہ کے قیام سے نامکمل کام کی تکمیل میں پیشرفت ہوئی۔ ملک کے معرض وُجود آنے کے وقت، شادی شدہ خواتین کو معاہدوں پر دستخط کرنے کا حق حاصل نہ تھا اور آمدن پر حق استحقاق بھی نہ تھا جبکہ قانونی طور پر علیحدگی کی صورت میں وہ بچوں پر دعویٰ کے اختیار سے بھی محروم تھیں۔ ایلزبتھ کیڈی سٹینٹن اور سوسن بی اینتھونی کی قیادت میں خواتین کو ووٹ کا حق دلوانے کے لیے چلائی گئی تحریک میں قوم کو ملکی تاسیس کے مضمرات میں خواتین کے سیاسی رتبے کے بارے میں آگہی دینے کی کوشش کی گئی۔ انہوں نے یہ موقف پیش کیا کہ صنفی بنیادوں پر قانونی ذمہ داریاں ناقابل تنسیخ حقوق سے وابستگی سے ہم آہنگ نہیں ہیں۔

۱۸۴۸ء میں سینیکا فالز کنوینشن میں آغاز کردہ "تحریک احساسات" کے اعلان میں کہا گیا کہ "ہم ان حقیقتوں کو واضح اور صاف تصور کرتے ہیں کہ تمام مرد اور خواتین کو برابر پیدا کیا گیا ہے: اور یہ کہ خالق حقیقی کی طرف سے ان کو بعض پیدائشی حقوق عطا کیے گئے ہیں، جن میں زندگی، آزادی اور خوشی کی جستجو شامل ہیں"۔ ایلزبتھ کیڈی سٹینٹن اور سوسن بی اینتھونی نے کنوینشن سے خطاب میں اعلان آزادی کی شرائط کے اعتبار سے خواتین کے لیے حق رائے دہی کے معاملہ کو اٹھایا۔ "بعض لوگوں کے لیے یہ بات عجیب ہے کہ، ہم اب اُس حکومت کے اعلان کے مطابق ووٹ کا حق مانگ رہے ہیں جس کے زیر حکم ہم زندگی گزار رہے ہیں، یہ ہمارا حق ہے اور ہم اسے حاصل کر کے رہیں گے اور ہم وہ استعمال بھی کریں گے۔" جب سوسن بی اینتھونی کو بطور ایک خاتون ۱۸۷۲ء کے صدارتی انتخابات میں ووٹ دینے کی پاداش میں سزا سنائی گئی تو بعد میں عدالتی شنوائی کے دوران اس نے عدلیہ کو یہ بات یاد دلائی کہ ووٹ دینے کے میرے حق سے انکار کا مطلب ہے کہ میرے حاکم کی حکومت میں میرا اتفاق شامل نہیں ہے، اور ٹیکس دہندہ شہری ہونے کے باوجود میرے حق نمائندگی کی نفی اور عدالتی کارروائی میں میرے حق شنوائی کی نفی جس کا مطلب میں مجرم ہوں اور حتمی طور پر یہ کہ اس کا مطلب میری زندگی، آزادی اور جائیداد سے متعلق میرے مقدس حقوق کا انکار۔

انیسویں صدی میں دوررس معاشی اور معاشرتی اثرات سے بھرپور صنعتی انقلاب کی وجہ سے امریکہ میں بھی خواتین کی جانب رویوں میں کچھ تبدیلی دیکھنے میں آئی۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ آزاد کسانوں' دکانداروں اور دستکاروں پر مشتمل آزاد مردوں کے دیس سے یومیہ اجرت کمانے والے افراد کا ملک بن گیا۔ اس کے نتیجہ میں باہمی انحصار کی نئی صورتوں نے جنم لیا-یعنی آجروں پر-اور آزادی کی نئی صورتوں نے بھی جنم لیا کیونکہ محنت کش اب زیادہ متحرک بن گئے۔ اس کا ایک نتیجہ، ماضی میں چھوٹی اور آپس میں جڑی ہوئی آبادیوں کی وجہ سے، خاندانی سرشتوں اور مقامی اداروں پر منحصر نوجوانوں، معذوروں، بے روزگاروں اور بزرگوں کے لیے اب فلاح وبہبود نظام کا متعارف ہونا تھا۔

ان تبدیلیوں کے ردعمل میں دیگر صنعتی ملکوں میں اپنے ہم منصبوں کی مانند، امریکی قانون سازوں نے بھی انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں کارکنوں کے لیے، زیادہ تر حقوق کی زبان میں ترتیب کردہ، حفاظتی اقدامات نافذ العمل کرنا شروع کر دیے۔ ۱۹۳۰ء کی دہائی میں زبردست معاشی بحران (گریٹ ڈپریشن) کے بعد وفاقی حکومت نے تحفظ کے اقدامات کے سلسلہ کو معاشرہ کے انتہائی ضرورتمند افراد تک رسائی کے لیے وسعت دی ورنہ ماضی میں یہ مقامی حکومتوں اور نجی خیراتی اداروں کا کام تھا۔

طویل مدت کے اعتبار سے کمزور طبقوں کے لیے قانون سازی کے ذریعے کیے گئے اقدامات کو آسان الفاظ میں بیان کرنا حقوق کے لحاظ سے زبان عام بن چکی ہے۔

تاہم انسانی حقوق کی یہ نسبتاً جدید مراعاتی اقسام بھی عمل میں نہیں آتی اور نہ ہی یہ حکومتی کارروائیوں سے استثنیٰ فراہم کرتیں ہیں۔ مثلاً ایسے حقوق جن پر اعلان آزادی اور آئین کی توجہ ہے، اس حد تک کہ ان کا نتیجہ مادی وسائل کے مختص کرنے سے متعلق مشکل فیصلوں میں نکلتا ہے۔ ان کی جڑیں امریکہ کی انجیل اور شہری جمہوریہ روایات میں پیوستہ ہے اور آزادی کی جدید روایت میں بھی اس حد تک کہ ایسے حقوق ایسے حالات پیدا کرتے ہیں جن کے اندر آزادی نشوونما پاتی ہے۔ اِس نوعیت کے حقوق، حتیٰ کہ دوسرے حقوق کی نسبت بہت زیادہ اپنے نفاذ کے لیے منتخب نمائندگان کے محدود وسائل کے منصفانہ استعمال سے متعلق فیصلوں پر انحصار کرتے ہیں۔ قانون سازی سے متعلق ریاستی شاخ عوامی معاونت، معاشرتی فلاح، اقتصادی سرگرمیوں اور ماحولیاتی تحفظ وغیرہ جیسے حقوق کے متن اور وسعت کا تعین کرنے کے لیے ایک بنیادی فورم ہے۔

جنوری ۱۹۴۴ء میں اپنے اسٹیٹ آف دی یونین خطاب میں صدر فرینکلن ڈیلانو روزویلٹ نے اعلان کیا کہ "حقیقی انفرادی آزادی معاشی تحفظ اور خودمختاری کے بغیر ممکن نہیں۔ روزویلٹ نے چند متمنی اصولوں کا مجموعہ ترتیب دیا اور ان کے بارے میں اس نے کہا کہ "یہ حقوق کا ایک دوسرا قانون (بل) ہے" اور اس کی ۱۹۴۸ء کے انسانی حقوق کے بین الاقوامی منشور سے گہری مماثلت تھی۔ اُن میں یہ حقوق شامل تھے "ایک کارآمد اور قابل معاوضہ ملازمت کا حق"، "ہر ایک کنبے کے لیے ایک خوبصورت گھر کا حق"، "مناسب علاج ومعالجہ کا حق"، "بڑھاپے، بیماری، حادثے اور بیروزگاری کے معاشی خدشات سے مناسب تحفظ حق" اور "اچھی تعلیم حاصل کرنے کا حق"۔

شہری اور سیاسی حقوق کے برعکس، جن سے حکومت کے اختیار کو عموماً محدود کر دیا جاتا تھا، مذکورہ نئے اصولوں کو قانون سازی کے عمل کے لیے بطور ہدایات تجویز کیا گیا جس سے حکومت کے صلاحیت اور ذمہ داریوں میں اضافہ ہو گا۔ چونکہ حکومتی طاقت اور حکومتی طاقت کے استعمال کو محدود رکھنا زندگی، آزادی اور خوشی کے حُصول کی جستجو کے تحفظ کے لیے لازمی ہیں اور کیونکہ ایک خاص سطح تک مادی ترقی آزادی کے لیے ضروری ہے لہٰذا نئے معاشی حقوق قدیم شہری اور سیاسی حقوق کو سہارا دیتے ہیں۔

اگرچہ روزویلٹ نے بیان کیا کہ یہ معاشی اصول بطور ناقابل تردید حقیقت تسلیم کر لیے گئے ہیں تاہم ان کا اطلاق تنازعہ کا شکار ہے۔ سماجی اور معاشی حقوق امریکہ کے تاسیسی اصولوں سے بہت زیادہ ہم آہنگ ہیں، جب وہ شہریوں کو اپنے پیدائشی حقوق کو استعمال کرنے، ذمہ داریاں سرانجام دینے اور مقامی حکومت میں شرکت میں مددگار بننے کے کم از کم پیمانہ کے کام آتے ہیں۔ تاہم ان کی ہم آہنگی کم ہو جاتی ہے جب وہ ریاست پر انحصار کرنے پر آمادہ ہوتے ہیں اور جب ریاست کی طاقت کو وسعت دے کر خاندان اور برادریاں تشکیل دینے والے افراد کو حق ملکیت جائیداد اور مذہبی آزادی سے محروم کرتے ہیں۔

صدر فرینکلن ڈی روزویلٹ حتیٰ کہ جب ایف ڈی آر متعارف کروا رہے تھے یا ناقابل تنسیخ حقوق کی پوشیدہ مضمرات کی تفصیلات طے کر رہے تھے، تب بھی ریاستہائے متحدہ امریکہ افریقی نژاد امریکیوں کو ان کے حقوق سے محروم کر رہا تھا۔ غلامی کے خاتمہ کے باوجود نسلی بنیادوں پر امتیازی سلوک ختم نہیں ہوا تھا۔ خانہ جنگی کے بعد تعمیر نو کی مختصر مدت کے بعد وفاق میں شامل ہونے والی سابقہ ریاستوں نے نئے آئین اختیار کیے اور فہرست رائے دہندگان کے قوانین وضع کیے جن کی وجہ سے سیاہ فام ووٹروں کو عملی طور پر حق رائے دہی سے محروم کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ ۱۸۸۰ء کے عشرہ میں ان ریاستوں نے عمارتوں، عوامی مسافر گاڑیوں اور کریانہ سٹوروں کے اندر بذریعہ حکم نامہ اور لازمی نسلی امتیاز کی بنیاد پر دُوری کا اطلاق کر دیا۔ یہاں تک کہ نیو ڈیل (نیا معاہدہ) کے محنت کُش قوانین سے مزارعوں اور گھریلو ملازمین کو، جن کی کثیر تعداد نسلی اور لسانی اقلیتوں سے وابستہ تھی' قابل معاوضہ ملازمتی درجہ بندی سے خارج کر دیا۔

دوسری جنگ عظیم کے اختتام کے بعد قوم نے اعلان آزادی کے عزم کو عملی تعبیر دینے کی خاطر نمایاں اقدامات اٹھائے۔ ان اقدامات کی زیادہ تر توجہ شہری حقوق کے حصول کی بڑھتی ہوئی تحریک اور امریکہ کی بیرون ملک انسانی آزادی کے لیے جنگ اور اندرون ملک افریقی نژاد امریکیوں کی قانونی طور پر جائز قرار شدہ قانونی غلامی پر احساسِ ندامت تھا۔ ۱۹۴۸ء میں صدر ہیری ٹرومین نے مسلح افواج میں نسلی امتیاز ختم کرنے کا حکم کر دیا، جس سے شہری حقوق کے دور کے لیے راہ ہموار ہوئی کیونکہ ایک دوسرے کے شانہ بشانہ اپنے ملک کی خدمت میں مصروف عمل مختلف نسلوں کے نوجوانوں کو ایک دوسرے سے واقفیت، دوستی اور بھروسہ کرنے کا موقع میسر ہوا۔ ۱۹۵۴ء میں براؤن بنام بورڈ آف ایجوکیشن مقدمہ میں امریکہ کے سپریم کورٹ کے نو جج صاحبان نے متفقہ طور پر یہ فیصلہ دیا کہ سرکاری سکولوں میں نسلی امتیاز پر علیحدگی کا اطلاق غیر آئینی ہے۔ ایک سال بعد مونٹگمری، الباما میں بیالیس سالہ روزا پارکس نے ایک بس میں دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک سفید فام مسافر کے لیے اپنی نشست خالی کرنے سے انکار کر دیا۔ سپریم کورٹ کی

جانب سے براؤن کیس میں فیصلہ اور روزاپارکس کا دلیرانہ قدم ریاستہائے متحدہ امریکہ میں قانونی تحفظ زدہ تعصب کا دس سال کے اندر خاتمہ کرنے والی تحریک کے اہم عوامل تھے۔

جدوجہد کی اس راہ میں امریکہ کے تاسیسی اصولوں اور سیاہ فام امریکیوں کے لیے شہری حقوق کی جدوجہد کے تعلق کے بارے میں متعدد تفہیمات ابھر کر سامنے آئیں۔ڈاکٹر مارٹن لوتھر کنگ جوئیر نے جیفرسن، ڈگلس، لنکن، سٹینٹن اور اینتھونی کے جذبہ سے اس چیلنج کا سامنا کیا۔ کنگ نے سیاہ فام امریکیوں کے لیے قانون کے تحت مساوی برتاؤ کے تصور کو امریکہ کے تاسیسی اصولوں سے انحراف کے طور پر نہیں بلکہ، جیسا کہ اُس نے لنکن یادگار کی سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر ۱۹۶۳ء میں اپنی مشہور "میرا ایک خواب ہے" والی تقریر میں کہا تھا کہ (سیاہ فاموں کو حقوق کی فراہمی) قوم کے بانیوں کی جانب سے سب امریکیوں کو فراہم کردہ اصولوں کے "عہد نامہ کی تکمیل" ہے۔

اُسی سال کے موسم بہار میں "برمنگھم جیل سے خط" میں کنگ نے امریکہ کے سیاہ فام شہریوں کے لیے انصاف کے حصول کے ضمن میں امریکہ کے تاسیسی اصولوں کی اہمیت پر زور دیا تھا۔ اُن کو پولیس کی بربریت، اذیت دے کر مارنے، مقدمہ بازی اور سزاؤں میں نسلی تعصب اور جنوب بھر میں بے انتہا نسلی تفاوت کے دوسرے طریقوں کے ردعمل میں جنوبی مسیحی قیادت کانفرنس اور دیگر گروہوں کی جانب سے معاشی بائیکاٹ کے بعد جیل میں بند کر دیا گیا تھا۔ کنگ کے خط کا فوری ردعمل سفید فام پادریوں کی طرف سے آیا جنہوں نے برمنگھم قوانین کے تحت "جلوس نکالنے، مظاہرہ کرنے، بائیکاٹ، بے جا مداخلت اور گھیراؤ اور دھرنا دینے" کے عمل پر مارٹن لوتھر کنگ کی ملامت کی۔ تاہم انہوں نے جیل کی کوٹھڑی سے جواب دیتے ہوئے کہا "ہم نے آئینی اور خدا کی طرف سے ودیعت کردہ حقوق کی خاطر ۳۴۰ سال انتظار کیا ہے۔ اُس نے وضاحت کی کہ بعض اوقات قانون کی بالادستی کو یقینی بنانے کے لیے غیر منصفانہ قوانین کی خلاف ورزی بشمول مندرجہ سزا قبول کرنے پر مبنی پُرامن احتجاج کلیدی اہمیت کا حامل ہے۔ ایسی پُرامن تحریک نافرمانی، جس کا مقصد قانون کی تحقیر نہیں بلکہ غالباً اس کی اپنے بنیادی مقصد کی طرف واپسی ہو، ناقابل تنسیخ حقوق سے متعلق امریکہ کی روایت کے مطابق ہے۔

کنگ نے اس بات کی دلیل دی کہ "جب یہ میراث سے محروم خدائی مخلوق لنچ کاؤنٹر پر بیٹھ گئے تو وہ حقیقت میں اُس امر کی حمایت کر رہے تھے جو امریکہ کے نظریئے کے عین مفاد میں ہے اور ہمارے مشترکہ یہودی و مسیحی ورثہ کی نہایت مقدس اقدار کے لیے بھی ضروری، جس کے ذریعہ قوم کو جمہوریت کے ان عظیم کنوؤں کی طرف واپس لے جانا ہے جن کو ہمارے بانی آباؤ اجداد نے آئین اور اعلان آزادی کی تشکیل کے لیے گہرائی تک کھودا تھا۔

تاہم کنگ کے تمام افریکی نژاد امریکی ساتھی اس امر پر متفق نہیں تھے کہ آزادی کی منزل کی جانب راہ امریکہ کے آئینی ڈھانچہ میں پیوستہ ہے۔ کچھ عرصہ تک سیاہ فام قوم پرست میلکم ایکس نے اختلاف رائے رکھتے ہوئے کنگ کی مشہور تقریر "میرا ایک خواب ہے" کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ امریکہ میں رہائش پذیر متعدد افریقی نژاد امریکیوں کی زندگی بھیانک خواب کی مانند ہے۔ مارکس گریوی اور الیجاح محمد جیسے سیاہ فام قوم پرستوں سے متاثر

ہو کر سیاہ فام قومپرستوں نے بعض اوقات شہری آزادی سے وابستہ شاعری اور محفل موسیقی کے مواقع پر تبدیلی کا مطالبہ دہرایا۔ بعض نے ادارہ جاتی تعصب پر تشویش کا اظہار کیا اور سیاہ فام قوت کو فروغ دیتے ہوئے کہا کہ خوشحالی کا حصول سیاہ فاموں کے انضمام کے بجائے اُن کی خود مختاری سے حاصل ہو گی۔ اُن میں سے متعدد کوششیں غلط فہمیاں ثابت ہوئیں لیکن اُن میں امریکہ میں اکثر اوقات امریکہ میں گونجنے والی بہترین نکات شامل تھے۔

مثال طور اس بات پر زور دینا کہ گورے لوگ کسی بھی انسان کو آزادی "دینے" کا حق نہیں رکھتے کیونکہ سب انسان پیدا ہی آزاد ہوئے ہیں، اس نوعیت کی باتوں سے اُن کارکنوں نے اعلان آزادی کے ابتدائی کلمات سے رجوع کیا۔

اور "شہری" حقوق" سے "انسانی" حقوق کی جانب توجہ مرکوز کرتے ہوئے، جیسا کہ میلکم ایکس نے ۱۹۶۴ء کے "بیلٹ آر دی بُلٹ" تقریر میں کیا تھا، انہوں نے جیفرسن، ڈگلس، لنکن، سٹینٹن، انتھونی اور کنگ کی جانب سے توثیق کردہ ہمہ گیر معیار پر زور دیا۔ اُس تقریر میں، میلکم ایکس نے "انکل سام" کو اقوام متحدہ میں پیش کرنے کا مطالبہ کیا تاکہ افریقی نژاد امریکیوں کے انسانی حقوق کی خلاف ورزی پر دنیا اس کا محاسبہ کر سکے۔

امریکی اسٹیٹس کو پر سخت تنقید کے باوجود اور تبدیلی پر اثر انداز کرنے کے لئے ضروری حکمت عملی پر مارٹن لوتھر کنگ سے شدید ترین اختلاف کے باوجود سیاہ فام قوم پرست اکثر قوی یقین ظاہر کرتے تھے کہ حقوق کا حصول دھوکہ نہیں ہے، وہ ہر جگہ تمام انسانوں پر لاگو ہوتے ہیں، اور یہ کہ ان کے اعلیٰ درجے کی انصاف کے لئے اپیل—ریاستہائے متحدہ امریکہ کی بنیادوں میں شامل ہے۔ بہر حال ۱۹۶۴ء کے سول رائیٹس ایکٹ اور ۱۹۶۵ء کے حق راہ دہی قانون کی منظوری میں مارٹن کنگ کی مدبرانہ اور سنجیدہ ذہنیت اور تقریر کا ہی کردار تھا جس نے امریکہ میں سیاسی اداروں میں اصلاحات کو یقینی بنایا۔ ایک ایسے ملک کی تعمیر میں بہت کچھ انجام پایا ہے جہاں ہر فرد، بطور مارٹن لوتھر کنگ نے اپنے کے بارے میں بچوں کی خواہش کی کہ، ان کو چمڑی کے رنگ سے نہیں بلکہ کردار کی بنیاد پر پرکھا جانا چاہیے۔ ۲۰۲۰ء کے بہار کے اختتامی ایام میں ایک پولیس افسر کے ہاتھوں افریکی نژاد امریکی شخص کی وحشیانہ ہلاکت اور اس کے نتیجے میں ملک کو لپیٹ میں لینے والی شہری بدامنی اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ ابھی بھی بہت کچھ انجام دینا ہے۔ در حقیقت، اس کام کی قدر دانی جو ابھی باقی ہے، اس کی عجلت اور اہمیت، خود امریکہ کی مخصوص حقوق روایت کا ایک اہم عنصر ہے۔

جیسے جیسے حالات بدلتے ہیں، امریکی شہری ناقابل تنسیخ حقوق کو امریکہ کی تاسیس میں مضبوط کرنے اور ان سے وابستگی کے دائرہ کار اور اس کے مضمرات پر بحث کرتے رہیں گے۔ اس اہم بحث کے بارے میں کہ ہم کس نوعیت کے افراد اور قوم کی خواہش کرتے ہیں کہ وہ ملک کی تشکیل کا پیش خیمہ بنے اور امریکی حقوق کی روایت کے تحرک کا ایک کلیدی ذریعہ ہے۔ اگرچہ اپنی توثیق کے ڈہائی سو سال بعد بھی آئین اُن حقوق کی حفاظت جاری رکھے ہوئے ہے جس سے امریکی عوام کو نئے حقوق کے دعووں کا اندازہ لگانے کے بارے میں پائدار تنازعات کا ازالہ کرنے کا ادراک ہوتا ہے اور موجودہ حقوق کی تکرار کو مد نظر رکھتے ہوئے آزاد اور خود حکومت کرنے والے افراد کی تشریح اور تفسیر ہوتی ہے۔

شہری اور سیاسی حقوق کے معاملے میں، چیلنج یہ رہا ہے کہ وہ گروپوں کے ممبروں کے حقوق کا احترام کریں جن سے ان کو غلط طور پر محروم رکھا گیا تھا۔ لیکن جہاں تک معاشی حقوق اور اسی طرح کچھ مخصوص معاشرتی حقوق کا تعلق ہے تو وہ متنازعہ ثابت ہوئے ہیں کیونکہ ان میں حقوق کے دعوؤں کا اکثر تصادم ہوتا ہے۔

ریاستہائے متحدہ امریکہ میں معاشرتی اور سیاسی تنازعات میں - اسقاط حمل، مثبت فعل، ہم جنس پرست شادی - دونوں فریقوں کے لئے بنیادی حقوق کے معاملے میں اپنے دعووں کا اقرار کرنا ایک عام بات ہے۔ در حقیقت، یہ غیر متزلزل حقوق کے بارے میں ہمارے بانی نظریات کی امریکی روح کی گہری جڑوں کا ثبوت ہے کہ ہماری سیاسی بحثیں انفرادی آزادی اور انسانی مساوات کے تصورات کے گرد گھومتی رہتی ہیں، یہاں تک کہ ہم متفق نہیں ہیں - بعض اوقات گہری - مناسب تشریح پر اور ان اصولوں کا صرف اطلاق میسر ہوتا ہے۔

حقوق کے دعووں میں اضافے نے، کچھ طریقوں سے واجب الادا اور انصاف پسند، اپنی ہی زیادتیوں کو جنم دیا ہے۔ تمام حکومتی رواداری یا مداخلت جو کچھ یا یہاں تک کہ تمام شہریوں کو فائدہ پہنچاتی ہے، اسی وجہ سے ایک حق نہیں ہے، اور ہر وہ حق بھی نہیں جو جمہوری اکثریت نافذ کرنے کا انتخاب کرتی ہے لہذا ناقابل قبول ہے۔ انسانی حقوق میں مستقل سیاسی ترجیح کو قید کرنے کی لالچ، جس کو، معروضی اور ہمہ گیر سچ سمجھا جاتا ہے، اور کسی عدالت سے حتمی اور پابند فیصلے کے خواہاں ہیں، وہ دراصل جمہوری بحث کو روکنے کا رجحان بنتا ہے، جس کا وجود نہایت ہی اہم ہے کیونکہ اس کے نتیجہ میں خود حکمرانی اور ناقابل تنسیخ حقوق کا تحفظ ہوتا ہے۔ اِسی اثناء میں نیا دریافت ہونے والے حق کو بعض اوقات تبدیل ہوتے ہوئے حالات کے تناظر میں ناقابل تنسیخ حقوق سے وابستگی کے مضمرات کی وجہ سے بہتر طریقہ سے سمجھنے کی کوشش کرنی ہوگی۔

ز: امریکہ کے تاسیسی اصول اور دنیا

ناقابل تنسیخ حقوق کا معاملہ شہریوں اور اُن کی منتخب کردہ حکومت کے مابین تعلق کی طرف توجہ مبذول کرواتا ہے۔ تاہم چونکہ حقوق دنیا بھر کے انسانوں سے جبّلی طور پر وابستہ ہوتے ہیں لہٰذا خارجہ اُمور کے فرائض کی ادائیگی میں بھی ان کے مضمرات ضروری ہوتے ہیں۔ در حقیقت اعلانِ آزادی کا محرک "بنی نوع انسان کی رائے کا مناسب احترام کرنا تھا" جس نے بانی رہنماؤں کو اُن محرکات کا اعلان کرنے پر مجبور کیا جو نئی طرز حکومت قائم کر کے ناقابل تنسیخ حقوق کی صداقت کو عیاں کرنے کا سبب بنے۔

قومی بنیاد میں انسانی حقوق کی اہمیت کے مضمرات اندرونی معاملت کی نسبت بالکل منتشر (غیر واضح) اور بالواسطہ ہیں لیکن ریاستہائے متحدہ امریکہ کے سنگ بنیاد کے محرکات یعنی شخصی آزادی اور انسانی مساوات جیسی عیاں حقیقتوں کی وجہ سے ضروری ہے کہ امریکہ آگاہ کرتا رہے اور دنیا میں اس کا طرز عمل بلند اور ارفع ہو۔

انسانی حقوق کے احترام اور اور جمہوریت سے لگاؤ کے نتیجہ میں نہ تو اضافی اختیار میسر ہوتا ہے اور نہ ہی کہیں پر حکومتوں کو بالجبر تبدیل کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے یا یہ کہ دوسری اقوام کو مجبور کیا جائے کہ وہ امریکہ میں اکثریت کی جانب سے قبول کی جانے والی ناقابل تنسیخ حقوق کی تشریح قبول کریں۔ امریکہ کی تاسیس میں ناقابل تنسیخ حقوق کا بطور بنیادی عنصر شامل ہونے کا مطلب دیگر قوموں سے اُن کے پسندیدہ طرز حکومت کے تعین کے حقوق چھیننے کا اجازت نامہ نہیں ہے۔

تاہم یہ لگاؤ امریکہ کو لبرل جمہوریت کی بطور طرز حکومت حمایت کرنے کی دلچسپی فراہم کرتا ہے، جو حقوق کا تحفظ موزوں ترین انداز میں کرے، آزاد اور وسعت پذیر ورلڈ آرڈر کو فروغ دے، انسانی حقوق اور جمہوری حقِ حکمرانی کی ہمدرد ہو اور دنیا بھر میں شخصی آزادی اور قانونی بالادستی کے تحت مساوات کا احترام کرنے والی حکومت کے خواہاں لوگوں کے ساتھ کھڑی ہو۔

بیرون ملک ناقابل تنسیخ حقوق کو فروغ دینا کئی صورتیں اختیار کر سکتا ہے جو دوسری قومی ریاستوں کی خود مختاری سے ہم آہنگ ہوں۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ خود کو ایک زیادہ کامل یونین بنانے کی کوشش کر کے آزادی اور قانون کے مطابق مساوات کو یقینی بنانے کا قابل تقلید تجربہ بن کر اپنا فرض ادا کر سکتا ہے۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ، دوست مُلکوں اور شراکت داروں کے ساتھ کام کرتے ہوئے، بیرون ملک ایک ایسے بین الاقوامی میثاق کو فروغ دے سکتا ہے جس کے نتیجہ میں قوموں کے درمیان آزاد تجارت اور سفارتکاری کی حوصلہ افزائی کر کے خوشحالی ممکن اور تنازعات کا پُرامن حل تلاش کیا جا سکے۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ بیرون مُلک بنیادی حقوق تلف کرنے والے ممالک اور اپنے حقوق کے حصول کی جدوجہد میں مشغول قوموں پر اپنا اثر رُسوخ استعمال کر سکتا ہے، بالکل باوقار انداز میں اور مستقل طور پر ان حقوق سے اپنی وابستگی ظاہر کر کے جو تمام انسان آپس میں بانٹتے ہیں اور اس سلسلہ میں سینیئر امریکی عہدیداروں کی دلیر باغیوں اور ظلم کا شکار افراد سے ملاقاتوں کا سلسلہ بھی ذریعہ بن سکتا ہے۔

امریکہ انسانی حقوق کے احترام کی ذمہ داری نبھانے میں سنجیدہ مُلکوں کو بیرونی امداد، مفت اداروں میں تربیت اور آزادی کے اُصولوں پر تعلیم بھی فراہم کر سکتا ہے۔ امریکہ عوام کو متحرک قومی سیاسی تبادلہ خیال سے محروم رکھنے والی حکومتوں کے زیر تسلط رہنے والے لوگوں تک خبریں اور تبصرے بھی پہنچا سکتا ہے۔ اور امریکہ انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیوں کی انسداد کی خاطر بعض ذمہ داروں پر پابندیاں بھی عائد کر سکتا ہے۔ سفارتکاری کو ہی ہمیشہ ترجیح دینی چاہیئے لیکن یہ بسا اوقات ناکافی ہوتی ہے۔ امریکہ کو ہمیشہ اپنی خود مختاری، آزادی اور علاقائی سالمیت کے دفاع کے لیے تیار رہنا چاہیئے، یہ وہ حق ہے جو قوم کے اعلان آزادی میں تمام انسانوں سے منسوب کیا گیا۔ اور آج کی باہمی منسلک دنیا میں بات کی جائے تو اپنے ملک کے اندر آزادی کے دفاع کو یقینی بنانے کے لیے بھی امریکہ کو بیرون ملک آزادی کے دشمنوں سے بَرِسرِپیکار آزادی کے دوستوں کی مدد کرنی چاہیئے۔
شاید ریاستہائے متحدہ امریکہ پر بیرون ملک تمام افراد کو حاصل حقوق کے فروغ کی ذمہ داری دسمبر ۱۹۴۸ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں انسانی حقوق کے بین الاقوامی میثاق (یو ڈی ایچ آر) کی منظوری پر دستخط اور اظہار کے رُو سے کندھوں پر آتی ہے۔ امریکہ نے یہ قدم اُٹھا کر اپنے بانی رہنماؤں اور یو ڈی ایچ آر کے درمیان مطابقت کی تصدیق کر دی تھی۔

دوسری عالمی جنگ کے ایٹمی دور کے بعد، مواصلات اور سفری سہولیات میں پے در پے انقلابوں کی وجہ سے چھوٹی اور آپس میں جُڑ جانے والی دنیا میں امریکیوں نے، جیسا کہ یوڈی ایچ آر میں بھی بیان کیا گیا ہے کہ "انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے لیے احترام اور ان پر عملدرآمد" کو فروغ دینے کی ذمہ داری قبول کی۔ اُس وقت سے امریکہ کی زیادہ تر سفارتکاری کو دنیا بھر میں انسانی حقوق کی ترقی کی ذمہ داری نبھانے اور دیگر بیشمار فرائض کی تکمیل کی مشترکہ جدوجہد کے طور پر دیکھا جاسکتا ہے، جس کا پیش خیمہ دنیا کی سب سے زیادہ خوشحال اور طاقتور آزاد جمہوریت کے لیے موزوں مربوط خارجہ پالیسی کی تشکیل تھی۔

سوئم: بین الاقوامی انسانی حقوق کے اُصولوں پر امریکہ کا عزم:

یہ خیال کہ بعض اصول اس قدر بنیادی ہیں کہ اُن کا ہر جگہ اشخاص پر اطلاق کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ امریکہ کی تاسیس میں گہرائی سے پیوستہ ہیں اور دنیا کی مذہبی اور فلسفیانہ روایات میں بھی اس کی قدیم بنیادیں ہیں۔ تاہم ۱۹۴۵ء میں اقوام متحدہ نے اپنے قیام کے ساتھ ہی "بین الاقوامی قانون برائے فراہمی حقوق" پر کام شروع کیا تو یہ سوال چھایا ہوا تھا کہ عالمگیریت کے اصول کا آج کی جدید دنیا میں کیا مطلب ہو سکتا ہے؟۔ حقیقت میں یہ کام اتنے بڑے پیمانہ پر ہوا کہ یونیسکو نے ۱۹۴۷ء میں دنیا کے معروف ترین فلسفیوں کے ایک گروہ کو مدعو کر کے یہ سوال سامنے رکھا کہ آیا بنیادی اصولوں پر مبنی کوئی ایک معاہدہ "اُن تمام لوگوں کے لیے قابل عمل و فہم ہے، جو زمین کے چاروں کونوں میں آباد ہیں اور ان کا تعلق نہ صرف مختلف ثقافتوں اور تہذیبوں سے ہے بلکہ مختلف رُوحانی سلسلوں اور یکسر مختلف مکتبہ فکر سے بھی ہے۔" کنفیشس ازم، ہندومت، اسلام اور مغربی مفکروں سے وسیع مشاورت کے بعد یونیسکو کے فلاسافروں نے نتیجہ اخذ کیا کہ "بعض عظیم اصول مختلف فلسفیانہ اصولوں اور الگ الگ سیاسی اور معاشی سرشتوں کے پس منظر میں بیان ہونے کے باوجود آپس میں کافی مشترک تھے۔" اُن کے سروے سے یہ بھی انکشاف ہوا کہ بعض ایسی خوفناک روایتیں بھی دنیا میں رائج ہیں جن کو کوئی بھی سرعام قابل عمل قرار نہیں دے گا اور دوسری جانب ایسے قابل ذکر شاندار اصول زیر عمل ہیں کہ کوئی بھی سرعام ان کی مخالفت نہیں کر سکتا۔ اُن کے خیال میں یہ معلومات کسی بین الاقوامی معاہدہ کی تشکیل ممکن بنانے کے لیے کافی تھیں۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ مجوزہ دستاویز نظریاتی اتفاق رائے نہیں بلکہ حقوق کے متعلق افہام و تفہیم سے متعلق اور حقوق کے حصول اور تحفظ کے لیے متنوع سطح پر قابل دفاع اقدامات سے متعلق ہو۔

۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء کو فلسفیوں کی تحقیق کی تصدیق ہوئی جب اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے انسانی حقوق کے بین الاقوامی منشور (یوڈی ایچ آر) کو منظور کیا تو اس کی مخالفت میں ایک بھی ووٹ نہیں پڑا۔ اس سنجیدہ موقع پر کمیشن کے سربراہ نے، جس نے منشور کی تیاری کرنے والی ٹیم کی بھی قیادت کی تھی، شریک وُفود کو اس امر کی یاد دہانی کرائی کہ یوڈی ایچ آر میں شامل حقوق کے بیانات کو ابھی حاصل کرنا باقی تھا۔ ایلن روزویلٹ (صدر امریکہ) نے کہا کہ یہ بات بنیادی اہمیت کی حامل ہے کہ ہم نے اس دستاویز کے بنیادی امتیازی خصوصیت کو ذہنوں میں واضح رکھا ہے۔ "یہ کوئی معاہدہ نہیں ہے، یہ کوئی بین الاقوامی میثاق نہیں ہے۔ یہ قانون کا کوئی بیان یا یہ قانونی ذمہ داری نہیں ہے اور نہ ہی ایسا ہونا اس کا مقصد ہے، یہ انسانی حقوق اور آزادی کے بنیادی اصولوں کا اعلان ہے، جو کہ سب قوموں کے لوگوں کے لیے قابل حصول مشترکہ معیار کے طور پر کام آئے گا۔

امریکی اعلان آزادی کی طرح یوڈی ایچ آر میں توثیق کردہ انسانی اُصول عصری حقیقتوں کی عکاسی سے بہت دُور تھے۔ ۱۹۴۸ء میں دنیا میں کسی بھی ملک کے بارے میں یہ بات نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ عزم شدہ معیار کی تکمیل میں کامیاب ہوا یا نہیں۔ ابراہم لنکن نے اعلان آزادی کے بارے میں جو تبصرہ

کیا تھا وہ اقوام متحدہ کے میثاق کے بارے میں بھی بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ ''اُن کا مطلب آزاد معاشرہ کے ایک معیاری مثال قائم کرنا تھا، جس سے سب مانوس ہوں، جس پر متواتر انحصار کیا جائے، جس کے لیے مسلسل محنت کی جائے اور اگر کامل صورت میں حاصل نہ بھی ہو تو قابل حُصول حد تک رسائی حاصل کرنی چاہیئے اور اس طرح اس کے اثر و رسوخ کو مسلسل پھیلایا جائے اور اس کو موثر بنایا جائے تا کہ ہر جگہ بسنے والے ہر رنگ کے لوگوں کی خوشی اور زندگی کی قدر میں اضافہ کیا جائے''۔ یہ ہی بات مسز روز ویلٹ نے بھی اس وقت کہی تھی کی جب انہوں نے جنرل اسمبلی پر اعلان حقوق (یو ڈی ایچ آر) منظور کرنے پر زور دیا تھا۔ ''آیئے ہم اقوام متحدہ کے رکن ہونے کی حیثیت سے، اور اپنی خامیوں اور عیبوں سے واقف ہونے کے باوجود، اس اعلیٰ معیار کی پاسداری کے لیے اپنی کوششوں کو نیک نیتی سے شامل کریں۔"

انسانی حقوق کے عالمگیر اعلان میں اصولوں پر اتفاق رائے کا حصول ایک تاریخی سنگ میل تھا اور ان کے بتدریج حصول کے لیے حالات کو سازگار بنانے کے لیے ایک بڑا اقدم تھا۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ کے معاملہ میں وہ اصول امریکہ کے اپنی حقوق کی روایات میں شامل اصولوں کے عین مطابق تھے۔

الف۔۔ انسانی حُقوق کا بین الاقوامی منشور اور ریاستہائے متحدہ امریکہ

دُنیا جیسے ہی دوسری عالمی جنگ کی تباہ کاریوں سے باہر نکلنے لگی تو نئے عالمی نظام میں انسانی حقوق کا مقام ابھی اتنا زیادہ واضح نہیں تھا۔ دوسری اہم پریشانیوں۔۔ معیشت کی از سر نو تعمیر سے لیکر سرد جنگ کے ظہور تک اور بعد از آبادکاری آزادی کی تحریکوں کی ہلچل اور اضطرابی کیفتوں، نے امریکہ سمیت طاقتور ترین ملکوں کی توجہ اپنی جانب مبذول کر دی۔ لیکن ریاستہائے متحدہ امریکہ کی اعلان کردہ جنگ کے مقاصد (بشمول بحر الکاہل کا چارٹر جس میں بعد از جنگ نظام کا نظریہ پیش کرتے ہوئے امن، خود اختیاری اور معاشی سلامتی کے خیالات پر تعمیر کیا گیا)، امریکہ کے شہری اور مذہبی گروہوں اور بہت سے ملکوں سے تعلق رکھنے والے غیر معمولی طور ذہین افراد کی طرف سے سفارتکاری کی خدمات (جن میں بالخصوص لاطینی امریکہ اور کئی چھوٹی اور کم طاقتور قومیں اور ریاستیں شامل تھیں) کی حمایت سے امریکی حکومت کی حوصلہ افزائی ہوئی کہ انسانی حقوق کو بعد از جنگ بین الاقوامی تعلقات اور قانون میں شامل کرانے میں کلیدی کردار ادا کیا جائے۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ کے محکمہ خارجہ کی حمایت کے بغیر یہ ناممکن ہوتا کہ انسانی حقوق اقوام متحدہ کے چارٹر میں اہم حیثیت حاصل کرتے یا اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے اولین کمیشن کو "انسانی حقوق کے بین الاقوامی قانون" کی تشکیل کا کام سونپا جاتا۔

اس دستاویز کو ضابطہ تحریر میں لانا، اُس کے لیے مذاکرات منعقد کرنا اور اس پر نظر ثانی کر کہ انسانی حقوق کے عالمگیر (یو ڈی ایچ آر) اعلان کی صورت اختیار کرنے تک امریکہ کے سیاسی نظریات اور روایات نے ایک اہم کردار ادا کیا۔ امریکہ کے تاسیسی اصولوں کی گونجیں یو ڈی ایچ آر کے مقدمہ میں سنی جا سکتی ہیں: ''بنی نوع انسان کے تمام اراکین کے موروثی وقار اور ان کے مساوی اور ناقابل تنسیخ حقوق کا احترام اور قدر افزائی دنیا میں آزادی، انصاف اور امن کی بنیاد ہے۔'' دوسرے مضمون میں ایف ڈی آر کی چار آزادیوں سے متعلق تقریر میں شامل مطالبہ دہرایا گیا۔ ''ایک ایسی دنیا کا قیام جس میں اشخاص کو تقریر اور عقیدہ کی آزادی، خوف اور تنگی سے آزادی میسر ہو گی۔" یو ڈی ایچ آر کی ابتدائی اِکیس شقیں اعلان آزادی کے "ناقابل

تنسیخ حقوق"، امریکی بل آف رائیٹس اور امریکی آئین میں اصلاحات سے متعلق ترامیم میں سمائے ہوئے کلاسیکی لبرل شہری اور سیاسی حقوق سے ہم آہنگ ہیں۔ یوڈی ایچ آر کے آرٹیکلز میں شامل حقوق یہ ہیں: زندگی، آزادی اور فرد کے تحفظ کا حق، غلامی اور جبر سے تحفظ، قانون کے سامنے مساوی اور جائز طریقہ ہائے کار کی ضمانتیں، نجی جائیداد کی ملکیت کا حق اور اُن دیگر حقوق کا شمار جو کسی بھی آئینی جمہوریت میں آزادی کے تحفظ کے لیے لازمی ہیں، مثلاً سوچ کی آزادی، شعور اور مذہب کی آزادی، اظہار رائے اور بیان کرنے کی آزادی، انجمن سازی کی آزادی، انتخابات میں ہمہ گیر اور مساویانہ رائے دہی کے ذریعہ حصہ لینے کی آزادی اور بہت سارے دیگر حقوق۔

یوڈی ایچ آر میں شامل دیگر حقوق جیسا کہ نقل و حرکت اور رہائش کی آزادی، شادی کرنے اور کنبہ بنانے کا حق، کسی کے گھرانے، گھر اور خط و کتابت میں رازداری کا حق وغیرہ ممکنہ طور پر امریکی حقوق سے براہ راست اقتباسات نہ ہوں تاہم یہ سب امریکی قانون کے دوسرے ذرائع اور سیاسی روایتوں؛ بشمول امریکی سپریم کورٹ قانون، سے گہری مطابقت رکھتے ہیں۔ بین الاقوامی میثاق کی شق ۲۲ سے ۲۸ میں "کسی بھی فرد کی آزادانہ ترقی اور وقار کے لیے لازمی قرار دیے گئے سماجی اور معاشی حقوق"، بیسویں صدی کے آئینوں اور قوانین سے مماثلت رکھتے ہیں۔ اگرچہ اِن حقوق، یعنی ملازمت، حصول تعلیم اور ایک خاص معیارِ زندگی، کو عمومی طور پر امریکہ میں آئینی تحفظ شدہ حیثیت حاصل نہیں ہے تاہم یہ "نیو ڈیل" کی بنیادی سماجی قانون سازی کے آشنا مقاصد ہیں اور اقوام متحدہ میں امریکی نمائندہ وفد کی جانب سے، بین الاقوامی منشور کی منظوری کے موقع پر، اِن کو واضح طور پر تسلیم کیا گیا۔

ب: بین الاقوامی منشور کا مطالعہ

المختصر، انسانی حقوق کے بین الاقوامی میثاق کا عُبوری اور سرسری مطالعہ کرنے سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ اس میں اور ریاستہائے متحدہ امریکہ کے بنیادی اور سیاسی اصولوں میں بہت سی مماثلتیں موجود ہیں۔ درحقیقت یوڈی ایچ آر کا تعلق آزادی کی اُسی جدید روایت سے ہے جیسا کہ اعلان آزادی، امریکی آئین اور قوم کی جانب سے اپنے تاسیسی اصولوں کے احترام کی جستجو کے ساتھ۔ یوڈی ایچ آر کے تفصیلی مطالعہ سے دستاویز کے اہم ترین اصولوں اور بنیادی ڈھانچہ سے متعلق حجم اور ان کے امریکہ کے قیام اور امریکہ کی خارجہ پالیسی سے تعلق کی واضح تشریح ہوتی ہے۔

سب سے اول تو یہ کہ ۷۰ سال سے زیادہ عرصہ کی مسافت کے بعد اب یقینی طور پر اس امر کو سمجھنا آسان ہے کہ ۴۸ قوموں کے لیے وہ کتنا غیر معمولی اور بے مثال واقعہ تھا، یعنی ثقافت، زبان، تاریخ، مذہب، نظریاتی، سیاسی ڈھانچہ اور اقتصادی نظام کی تفریق کے درمیان اپنے شہریوں کے ساتھ بنیادی تعلقات پر اثر انداز ہونے والے بنیادی اُصولوں پر اتفاق کرنے پر آمادہ ہونا۔ انسانی وقار، آزادی اور عمومی عالمی تشویش کے امور سے متعلق انصاف کے بنیادی دعووں کو بلند و ارفع کر کے بین الاقوامی منشور کی توسط سے تاریخ میں پہلی مرتبہ عالمی انسانیت کے ضمیر کو آواز دی گئی۔ ماضی میں ریاستی خود مختاری اور داخلی دائرہ اختیار کے نظریات کے نکتوں میں الجھ کر خلاف ورزی کی مرتکب ریاستوں کو بین الاقوامی مذمت اور مداخلت حتیٰ کہ سنگین بدسلوکیوں کے معاملات میں بھی موثر طریقہ سے بچا لیا جاتا تھا۔ بین الاقوامی منشور نے کایا ہی پلٹ دی۔ جامع حیثیت میں، منشور صادر کرتا ہے کہ کسی بھی ریاست کے اندر بنیادی انسانی حقوق کا تحفظ قوموں کی برادری کے لیے اہمیت کا حامل ہے کیونکہ ایسے حقوق ایک ہمہ گیر مشترکہ اچھائی کا حصہ ہیں۔

خود مختاری کا انسانی حقوق کے ساتھ تعلق کا سوال پیچیدہ اور نازک رہتا ہے۔ لیکن منشور کی رُونمائی کے بعد کوئی ریاست منطقی طور پر یہ دعویٰ نہیں کر سکتی کہ اُس کے اپنے شہریوں کے ساتھ انسانی حقوق کے امور صرف داخلی امور کا معاملہ ہے۔ اُس کے بجائے انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیوں کے خلاف بین الاقوامی تنقید اور احتساب قوموں کی برادری کی اب ایک فکری امید بن چکی ہے۔

ثانیاً یہ کہ انفرادی آزادی اور انسانی مساوات کے بارے میں صدیوں پر مُحیط جدید نظریات، ذمہ داری کی نوعیت اور خود مختاری کی حدود پر مبنی اُصولوں پر حصولِ اتفاقِ کی خاطر میثاق کے مصنفین نے دانستہ طور پر ایک اضافی دستاویز تیار کرنے کا انتخاب کیا۔ یو ڈی ایچ آر کی تیس شقوں میں کم تعداد میں حقوق کو صاف طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اس میں صرف وہ حقوق شامل ہیں جن پر اقوام متحدہ میں شامل مختلف پس منظر کی قوموں کا ہمہ گیر اتفاق رائے حاصل کرنے کا امکان تھا۔ مزید بر آں، ان میں سے بیشتر حقوق جو شامل ہوئے، اُن پر اتفاق رائے اور اکثریتی حمایت کے حُصول کی خاطر، اُن کو شرائط لاگو کیے بغیر اور وسیع اصطلاحات میں بیان کیا گیا ہے۔

تیسری بات، بین الاقوامی میثاق باہمی پیوستہ اصولوں کی مربوط ترتیب کے طور پر تحریر اور تصور کیا گیا۔ ہر ایک اصول ایک آلہ کی مانند تھا جس نے تمام مجموعہ کی ہم آہنگی میں کچھ لازمی کردار ادا کیا۔ یو ڈی ایچ آر محض کوئی ایسی فہرست نہیں جسے الگ الگ کیا جا سکے بلکہ ایسا آزاد متن ہے جس کا علیحدگی میں اور اُس کی اپنی شرائط کے حساب سے تصور کیا جا سکتا ہے۔ بین الاقوامی منشور کے حقوق میں سے کسی ایک کو بھی دیگر کی قیمت پر سیاق وسباق سے ہٹ کر بیان کرنا خلاف ورزی کے مترادف ہو گا یا کسی ایک نکتہ پر توجہ دینے کے لیے دستاویز کے دیگر متن کو نظر انداز کرنا بھی اس کا حلیہ ہی بگاڑ دے گا۔ یو ڈی ایچ آر کے آرٹیکل ۲۹ میں اِس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اس میں موجود حقوق اور آزادیوں کا اطلاق "دوسروں کے حقوق اور آزادیوں کے احترام کی حدود سے مشروط ہے۔" اس کا عندیہ اِس طریقہ کار پر ہے کہ ہر حق، معاشرہ میں رہتے ہوئے اور "معاشرتی ذمہ داریوں" سے متعلق (جس کو آرٹیکل ۲۹ میں بھی تسلیم کیا گیا ہے) ایک دوسرے سے منسلک اصولوں کا حصہ ہے جس تک متوازی طریقے سے پہنچنا چاہیئے۔ دستاویز کی طاقت اور قائل کرنے کی صلاحیت، اُس کی عالمی سطح پر گونج، معاشرہ میں انفرادی حقوق کے بابت اجتماعی فہم وادراک پر منحصر ہے۔

چوتھا قابل ذکر نکتہ یہ ہے کہ بین الاقوامی منشور توثیق کرتا ہے کہ انسانی وقار، آزادی، مساوات اور معاشرہ ناقابل تحلیل حد تک آپس میں منسلک ہیں۔ افتتاحی کلمات میں کہا گیا ہے کہ "انسان ذات کے تمام اراکین کے پیدائشی وقار کا اعتراف دنیا میں آزادی، اتفاق اور امن کا سنگ بنیاد ہے" جبکہ دیگر اہم شقوں میں بھی انسانی وقار کے تعین پر بحث کی گئی ہے۔ احترام یا وقار کے بارے سب کی جانب سے یکساں بیان کردہ متعدد حوالے، جب یو ڈی ایچ آر انسانی حقوق کے لیے سنگ بنیاد فراہم کرنے پر آئے تو، ایک دوسرے کے انتہائی قریب ہیں۔ انسانی وقار کے حتمی مآخذ کی نشاندہی کرنے سے دستاویز میں دانستہ طور پر اجتناب کیا گیا ہے لیکن وہ واضح کرتا ہے کہ انسانی وقار ناقابل تنسیخ ہے، اس کا تعلق صرف انسانوں سے ہے کیونکہ وہ انسان ہیں۔ یہ کسی حاکم کی طرف سے عطا نہیں کیا جا سکتا۔ یہ سیاسی زندگی یا مثبت قانون سے پیدا نہیں کیا جاتا بلکہ یہ مثبت قانون سے مقدم ہے اور یہ مثبت قانون کی قدر جاننے کا اخلاقی معیار فراہم کرتا ہے۔ اور کسی بھی انسانی زندگی کو اس کے وقار سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ بالآخر بین الاقوامی منشور میں شامل حقوق کا مربوط مجموعہ معاشرہ میں آزادی کی وجہ سے پھلنے پھولنے کے عمل کو ممکن بنانے کے حامل اصولوں پر زور دیتے ہوئے انسانی وقار کی معنی اور مضمرات بیان کرنا شروع کر ہی دیتا ہے۔ اِن تمام طریقوں میں بین الاقوامی منشور کے انسانی وقار کے مرکزی نظریہ کے تانے بانے امریکہ کی سیاسی

روایت میں موجود نا قابل تنسیخ حقوق کے ساتھ جا ملتے ہیں۔ اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ امریکہ کے بانیوں نے "نا قابل تنسیخ حقوق" کی صورت میں پیدائشی انسانی وقار کے نظریہ کو ذریعہ اظہار دیا۔

پانچواں امر یہ کہ اس بات کو تسلیم کرنا چاہیئے کہ انسانی حقوق کا بین الاقوامی منشور ارادی مہارت سے بطور ایک اخلاقی اور سیاسی دستاویز، نہ کہ باقاعدہ قانون سازی کا ذریعہ کے طور پر، تیار کیا گیا۔ یہ "قابل حصول عام معیار" فراہم ہوتا ہے اور قوموں کے درمیان مثبت فضیلت کی مسابقت کی دعوت دیتا ہے۔ اس کا مقصد افراد کو اپنے حقوق اور قوموں کو ان کی ذمہ داریوں سے متعلق آگاہ کرنا ہے۔ یوڈی ایچ آر کی منظوری سے لیکر کئی عشروں میں خواہشمندانہ اور معلمانہ مقاصد سے ماورا بہت کچھ کام کیا جا چکا ہے، اُس کے اصولوں کو قانونی طور پر، زیادہ تر معاہدوں کے ذریعے، لازمی ذمہ داریوں کے طور پر نافذ کیا گیا ہے۔ یوڈی ایچ آر بعد از جنگ انسانی حقوق منصوبہ کا بنیادی سُتون ہونے کی حیثیت سے دلیل دیتا ہے کہ انسانی حقوق کا بین الاقوامی سطح پر تحفظ کرنا قانونی ذمہ داری سے پہلے ایک اخلاقی اور سیاسی ذمہ داری ہے۔ اگرچہ بین الاقوامی قوانین میں انسانی حقوق کو قانونی شکل دینے کی کوشش کرنے کی بہت سی دلیلیں اور مثالیں موجود ہیں تاہم اُن کوششوں کی کامیابی کا انحصار اُن اخلاقی اور سیاسی وعہد وپیماں پر ہے، جس پر یہ ساری سرگرمی کھڑی ہے؛ ان عہد وپیماں کے بغیر قانونی ڈھانچہ قابل قبول یا موثر نہیں ہو گا۔ دراصل کسی قوم کی خارجہ پالیسی میں انسانی حقوق اکثر اقوام کے اخلاقی مقصد اور سیاسی عزم کی وضاحت کی بدولت، قانونی پابندیوں کی نسبت، زیادہ تقویت حاصل کرتے ہیں۔

آخری بات، بین الاقوامی منشور کے مجموعی ڈھانچہ کا ایک پہلو، جو اُس کی عالمی حیثیت منوانے کے لیے بطور سنگِ بنیاد انتہائی اہم رہا ہے وہ اس کی سیاسی، معاشی، ثقافتی، مذہبی اور قانونی روایات کے وسیع تر متنوع مجموعہ کو شامل کرنے کی صلاحیت ہے۔ جیسا کہ مشاہدہ میں بھی آیا ہے کہ دستاویز بحثیت کل عمومی اور وسیع اصطلاحات کی بنیاد پر تشکیل دیا گیا ہے، جس میں انسانی وقار پر کچھ توجہ مبذول کی گئی ہے لیکن انسانی عظمت کے اسباب کی وضاحت تک نہیں کی گئی۔

یوڈی ایچ آر تصور کرتا ہے کہ اس کے ترتیب شُدہ اصول مختلف سیاسی سرشتوں میں مثبت طور پر نافذ کیے جا سکتے ہیں۔ متعدد حقوق کا طریقہ اظہار اُن کی تشریح اور استعمال میں نمایاں لچک کی اجازت دیتا ہے۔ مثال کے طور پر، "ایک آزاد اور غیر جانبدار ٹریبونل کے سامنے منصفانہ اور سرعام سماعت کا حق" اِس امر کی تفصیلات کو غیر واضح چھوڑ دیتا ہے کہ آزادی، غیر جانبداری اور یہاں تک کہ ٹریبونل کا تعین کیسے ہو سکتا ہے۔ مزید برآں یوڈی ایچ آر مختلف حقوق کے درمیان مفاہمت اور مطابقت پیدا کرنے کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہتا۔ مثلاً شق نمبر سات میں "کسی بھی تفریق کے بغیر برابر تحفظ کے حق اور شق ۲۰ میں انجمن سازی کی آزادی کے حق کے مابین کس جگہ لکیر کھینچی جائے؟

شق نمبر ۲۹ کسی بھی جمہوری معاشرہ میں اخلاقیات، امن عامہ اور عمومی فلاح وبہبود کی جائز ضروریات کو پورا کرنے کی غرض سے پابندیوں کے بارے میں تفصیلات بیان کرتا ہے تاہم ہر سماجی اور سیاسی پس منظر میں یہ نظریہ ضرورت حیرت انگیز طور پر مختلف ہو سکتا ہے۔ مزید برآں شق نمبر ۲۲ سے

۲۶ تک کی زبان اس بارے میں کچھ نہیں کہتی کہ وہاں پر درج کیے گئے سماجی اور معاشی حقوق کے حصول کے لیے کس نوعیت کا سیاسی اور اقتصادی نظام زیادہ موثر اور موزوں تصور کرنا چاہیئے۔ عین جس طرح امریکی اعلان آزادی تصور کرتا ہے کہ متعدد قوانین اور حکومتیں ناقابل تنسیخ حقوق کی حفاظت کر سکتی ہیں اسی طرح بین الاقوامی منشور بھی انسانی حقوق کی پاسداری کے لیے قوانین، سیاسی اداروں، معاشی سرشتہ کے مستند مجموعہ پر غور و فکر کرتا ہے۔ دونوں صورتوں میں تنوع کی تعریف معاشرہ میں فرد کے لیے احترام اور یہ اعتراف کرنے سے بندھی ہوئی ہے کہ سیاسی طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں۔

اس بات پر زور دینا ضروری ہے کہ یو ڈی ایچ آر کی جائز اجتماع کے اصول کے بارے میں صاف گوئی کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ انسانی حقوق نسبتی ہیں اور یہ کہ انسانی حقوق کے کوئی ہمہ گیر حقیقی اصول نہیں ہیں یا یہ کہ ثقافتی روایتوں کو انسانی حقوق کی خلاف ورزی کرنے کے لیے بطور ایک عذر قبول کر لینا چاہیے۔ بلکہ اس سے عکاسی ہوتی ہے کہ حقیقی ہمہ گیر اصولوں کو مخصوص اور متنوع پس منظر میں ٹھوس طریقہ سے واضح کرنا چاہیے، اور یہ کہ مجموعی گنجائش فراہم کرنا نہ صرف انسانی آزادی اور وقار کے اُصولوں سے موافقت میں ہے بلکہ مختلف ثقافتوں اور قوموں میں عملی رضامندی حاصل کرنے کا واحد حقیقی راستہ بھی ہے۔ یعنی انسانی حقوق کے بارے میں بین الاقوامی اصولوں اور متعدد انسانی حقیقتوں کے مابین باہمی عزت و احترام کا تصور دراصل انسانی حقوق کے موثر اطلاق کی مشکل کا مرکزی نکتہ ہے۔

اقتدار کی نفی کا نظریہ انسانی حقوق کے بین الاقوامی منشور میں مضمر ہے اور بین الاقوامی انسانی حقوق قانون کے آغاز سے ہی نظام میں پیوستہ ہیں۔ اقتدار کی نفی کا اصول، جس کا امریکی آئینی روایت میں اصول وفاقیت سے تعلق ہے، اس بات کی توثیق کرتا ہے کہ جہاں بھی ممکن ہو کوئی بھی فیصلہ اُس سطح پر کیا جائے جو اُن فیصلوں کے نتیجہ میں متاثر ہونے والے لوگوں کے قریب تر ہو، بنیادی برادریوں سے آغاز ہو اور بڑی، عام و وسیع اور دوری پر واقع برادریاں صرف متاثرہ لوگوں کی مدد کے لیے مداخلت کریں نہ کہ اُن کا متبادل بننے کے لیے۔ اقتدار اعلیٰ کا اصول انسانی حقوق کی عالمگیریت اور ان کے حصول میں کلیدی اہمیت کے حامل اجتماعیت، دونوں، کو اکٹھا رکھے ہوئے ہے۔ یہ انسانی حقوق کے عالمگیر اصولوں کی تشریح اور ان پر عملدرآمد کرنے کے لیے ریاستوں کی نمایاں صوابدید (اختیار) سے مطابقت رکھتا ہے۔ اقتدار اعلیٰ کے نفی کا اصول اس نظریہ کی ترویج بھی کرتا ہے کہ ریاستوں کے اندر انسانی حقوق ایک آزاد اور اجتماعی معاشرہ تشکیل دیتے ہیں، جس میں مقامی آبادیوں اور رضاکارانہ تنظیموں کی مختلف اقسام شامل ہوتی ہیں۔ تاہم اس کا مطلب انسانی حقوق کا تحفظ ریاست کی بنیادی ذمہ داری ہونے کے امر کی نفی نہیں ہوتی۔ بلکہ اقتدار اعلیٰ کی نفی کا اصول بنیادی آبادیوں، ریاستوں سے لیکر بین الاقوامی تنظیموں تک انسانی حقوق کے حصول کے لیے مناسب ذمہ داریاں تفویض کرنے میں مدد دیتا ہے۔

ج- بین الاقوامی انسانی حقوق منشور کے بارے میں مستقل سوالات

انسانی حقوق کے بین الاقوامی منشور کی چھ وسیع امتیازی خصوصیات، جن کو گزشتہ صفحات میں تفصیل سے بیان کیا گیا، کی وجہ سے امریکی خارجہ پالیسی کے لیے یوڈی ایچ آر کے ممکنہ اثرات کے متعلق کئی پیچیدہ سوالات کو جنم دیا ہے۔

اول۔ قومی خود مختاری اور انسانی حقوق

بیسویں صدی میں عالمی توجہ کا مرکز بننے والے انسانی حقوق کے موضوع کا ظہور قومی مملکتوں کی خود مختاری کے نظریہ کے ساتھ ساتھ ہوا۔ بعض مبصرین کا خیال ہے کہ ان تبدیلیوں سے امریکہ کی خود مختاری مصلحت کا شکار بنی۔ یہاں تک کہ امریکہ انسانی حقوق کے عالمی نظام میں شرکت کرنے کے لیے تذبذب کا شکار تھا۔ تاہم اس بات کو صحیح سمجھا گیا کہ حقوق اور خود مختاری کا تصور جو "یوڈی ایچ آر" میں ٹھوس شکل میں عیاں کیا گیا ہے وہ امریکہ کی آئینی روایت سے موافقت رکھتا ہے۔

قومی خود مختاری انسانی حقوق کے تحفظ کرنے کے لیے ایک فیصلہ کن شرط کے طور پر کام آتی ہے کیونکہ یہ قومی سیاسی معاشرہ کے اُس درجہ پر پائی جاتی ہے جہاں انسانی حقوق کی بہترین انداز میں حفاظت کی جاسکتی ہے۔ انسانی حقوق کے حُصول کا مقصد قومی ریاستوں سے اُس آزادی، صلاحیت اور اختیارات کے استعمال کا تقاضا کرتا ہے جو اُن کو انسانی حقوق کا دفاع کرنے کی ذمہ داری نبھانے کے قابل بنائیں۔ قوموں کی قائم کردہ آزاد مملکتیں اپنے قوانین اور سیاسی فیصلوں کے ذریعے انسانی حقوق کے سب سے اہم ضامن ہیں۔ تاہم ریاست کی خود مختاری انسانی حقوق سے غفلت کرنے یا بے قدری کا مرتکب ہونے کا عذر نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ خود مختاری انسانی حقوق کی سیاسی نظام پر انحصار کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہے۔ جب کوئی قومی مملکت انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں پر کارروائی کرنے یا اس میں ناکامی پر خود مختاری کو بطور عذر پیش کرے تو یہ مسئلہ خود مختاری کا نہیں بلکہ خود مختاری کے ناقص استعمال کا ہے۔ اس کا مناسب حل شاید انسانی حقوق کے بارے میں اپنے عزم پر عمل پیرا دیگر خود مختار ریاستوں کی مدد اور حوصلہ افزائی کے ساتھ مل کر اپنے سیاسی نظام کی اصلاح کرنا ہے۔ جب ایک قومی بنیادوں پر تشکیل کردہ ریاست کے بارے میں یہ ثابت ہو جائے کہ وہ انسانی حقوق کو کچلنے کے لیے باقاعدہ طور پر تہیہ کیے ہوئے ہے تو قوموں کی برادری کو انسانی وقار پر یلغار کو روکنے کے لیے سفارتی آلات کے تمام ذرائع کو بروئے کار لانے پر غور کرنا چاہیے۔

عالمی قانون کے تناظر میں خود مختاری اور عالمی انسانی حقوق کے طور طریقوں کے مابین کشیدگی کے خاتمہ کے لیے ریاست کی رضامندی سے ثالثی کرنی چاہیے۔ امریکہ نے خود مختارانہ عمل کے تحت شمولیت کا قدم اُٹھا کر باقاعدہ اس بات پر رضامندی کا اظہار کیا ہے کہ وہ انسانی حقوق کے عالمی قانون کے بعض طور طریقوں کا پابند ہو گا۔ جب آئینی طور پر مجوزہ طریقہ کار سے رضامندی کا اظہار کا موقع سامنے آئے تو، چند استثنات کے علاوہ، اُس پر قانونی ذمہ داری لاگو ہوتی ہے۔ چنانچہ امریکہ عالمی قانونی نظام میں بطور ایک خود مختار ملک انسانی حقوق سے متعلق معاہدات کی توثیق کرنے کے لیے مجبور نہیں ہے تاہم جب وہ کسی معاملہ میں ایسا کرتا ہے جس کا آئین متقاضی ہے تو وہ معاہدے باقاعدہ قانونی ذمہ داریاں بن کر قوم کی خود مختاری کو اظہار، نہ کہ تردید، فراہم کرتے ہیں۔

دوم: شہری اور سیاسی حقوق کا معاشی اور معاشرتی حقوق سے تعلق

بین الاقوامی منشور کی جانب سے شہری اور سیاسی حقوق کو معاشی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق کے ساتھ ایک مربوط مجموعہ کی صورت میں تشکیل دینے کے عمل کی وجہ سے امریکہ کو خاصی مشکل درپیش ہے۔ منشور کے برعکس اور بیسویں صدی کے اوائل اور وسط میں اختیار کردہ دنیا کے بیشتر آئینوں کے برعکس، امریکہ کا آئین عمومی طور پر معاشی اور معاشرتی حقوق کو تسلیم نہیں کرتا بشمول معاشی اور سماجی حُقوق کے۔ سرد جنگ کا تمام تر عرصہ امریکہ نے شہری اور سیاسی حقوق کی پاسداری کے عزم پر خصوصی طور پر زور دیا اور سوویت یونین کی جانب سے معاشی اور معاشرتی حُقوق کی جیت کے تاثر کو ہمیشہ رد کیا۔ سرد جنگ کے خاتمہ کے وقت سے امریکہ کی انسانی حقوق سے متعلق پالیسی کا ایک متواتر پہلو ہر صدارتی انتظامیہ کے دور میں قطع نظر اس کا کس سیاسی جماعت سے تعلق ہو، معاشی اور معاشرتی حقوق کو بطور عالمی انسانی حقوق کے قانون کا ایک اہم جزو تسلیم کرنے میں اُس کا تذبذب ہے، باوجود اس کے کہ امریکی وفد نے ۱۹۴۸ء میں بین الاقوامی انسانی حُقوق منشور کی منظوری کے وقت اِن حقوق کے فروغ کی جانب مخلصانہ عزم کا اظہار کیا۔

امریکی آئین کے مقدمہ میں بھی حکومت پر یہ ذمہ داری سونپی گئی ہے کہ وہ "عمومی فلاح و بہبود کو فروغ دے" لیکن تاسیسی دور میں بالعموم اس کا یہ مطلب لیا گیا کہ عمومی فلاح و بہبود کو ایک محدود وفاقی حکومت کے ذریعے ہی بہترین طریقہ سے فروغ دیا جاسکتا تھا جس نے مستعدی سے انفرادی آزادی کا تحفظ کیا اور بہت سی ذمہ داریاں ریاستوں پر چھوڑ دی گئیں۔ بعد ازاں ملک میں صنعتی ترقی کی توسیع اور یومیہ اجرت کمانے والوں کی تعداد آزاد کسانوں، دستکاروں اور دکانداروں کی تعداد سے کہیں زیادہ بڑھ گئی تو وفاقی حکومت نے اُن کے نظم و نسق کی بہتری کی زیادہ تر ذمہ داری سنبھال لی۔ بیسویں صدی کے آغاز میں امریکہ کام اور مزدوری کے لیے منصفانہ اور موافق حالات کو یقینی بنانے کے لیے قانون سازی کی کوششوں میں مصروف ہو گیا اور کئی عشروں کی محنت سے بین الاقوامی منشور کی منظوری تک امریکہ نے کروڑوں امریکیوں کو ایک مناسب معیار زندگی کی ضمانت دینے اور نوجوانوں، بے روزگاروں، بیماروں اور بزرگوں کے لیے معاشرتی تحفظ دینے کے لیے ٹھوس قانون سازی اور انتظامی اقدامات کی ذمہ داری اٹھائی۔ ۱۹۴۸ء میں "نیو ڈیل" کے قوانین یو ڈی ایچ آر کی متعلقہ شقوں کے لیے بطور ایک نمونہ (ماڈل) کام آئے۔

آج، مختلف سماجی پالیسیاں جو یو ڈی ایچ آر میں بطور حقوق تشکیل دی گئیں، وہ امریکہ میں حکومت کی ذمہ داروں میں مرکزی حیثیت رکھتی ہیں۔ مثال کے طور پر، اگرچہ تعلیم کو امریکی آئین میں بطور ایک حق تسلیم نہیں کیا گیا ہے لیکن یونین کی قریب ہر ریاست کے آئینوں میں تعلیم کے حق کو شامل کیا گیا ہے اور اس حق کے مؤثر استعمال کو یقینی بنانے کے لیے سرکاری حکام پر بھاری ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں۔ یو ڈی ایچ آر کی زبان سے ملتی جلتی دیگر بڑی سماجی پالیسیوں میں، وفاقی اور ریاستی دونوں سطح پر، کام کے حساب سے اُجرت، بچوں کی سماجی حفاظت، والدین کے لیے اپنے بچوں کی تعلیم کا عبوری انتخاب کرنے کا حق اور معذور افراد کی عوامی زندگی اور کام کی جگہ پر شمولیت کی ضمانتیں شامل ہیں۔

ہماری سرحدوں سے ماورا دیکھتے ہوئے یہ بات قابل غور ہے کہ بین الاقوامی انسانی حقوق کے منصوبہ کے تمام سات عشروں میں امریکی خارجہ پالیسی میں دنیا بھر میں معاشی اور معاشرتی فلاح و بہبود کے لیے ترجیحات طے کی گئیں جس میں وسیع پیمانے پر ترقیاتی امداد، مارشل پلان سے لیکر صدر کے ایمرجنسی پلان برائے انسداد ایڈز تک شامل ہیں۔ ان اقدامات سے امریکی قانون اور پالیسی کے تحت، مقامی اور بین الاقوامی سطح پر، اُن معاشی اور سماجی مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے دوررس اقدامات کیے جاتے ہیں جن کا تقاضا یو ڈی ایچ آر میں کیا گیا ہے۔

پھر یو ڈی ایچ آر کے معاشی اور سماجی حقوق سے متعلق اصولوں کو کیسے امریکی خارجہ پالیسی پر اثر انداز ہونا چاہیے؟ اس بات کو ہر صورت تسلیم کر لینا چاہیے کہ شہری اور سیاسی حقوق کے ساتھ سماجی، معاشی اور ثقافتی حقوق بھی بین الاقوامی منشور کے ڈھانچہ کا کلیدی جُزو ہیں تاہم اس بات کا خیال کرنے کی ضرورت ہے کہ یو ڈی ایچ آر حقوق کے دو گروہوں کو مختلف انداز میں پیش کرتا اور فروغ دیتا ہے۔

ایک اہم ترین فرق یہ ہے کہ معاشی اور سماجی حقوق کو متعارف کرانے والی شق ۲۲ مہیا کرتی ہے کہ ان کا "ہر مملکت کی تنظیم اور وسائل" پر انحصار ہوتا ہے جبکہ یو ڈی ایچ آر شہری اور سیاسی حقوق پر اس قسم کی حد عائد نہیں کرتا (یہ اُس انفرادیت کو واضح کرتا ہے جس کو بعد میں شہری اور سیاسی حقوق سے متعلق بین الاقوامی معاہدہ اور عالمی کنونشن برائے معاشی، سماجی اور ثقافتی حقوق میں قانونی شکل دی گئی)۔ مزید شقیں یہ عندیہ دیتی ہیں کہ بعض شہری اور سیاسی حقوق حدود سے مشروط نہیں ہیں، خصوصی طور پر وہ منفی حقوق جو اس بات کے متقاضی ہیں کہ مملکت اُن کی براہ راست خلاف ورزی سے اجتناب کرے۔ مثلاً "کوئی بھی شخص" غلامی، تشدد یا غیر قانونی حراست کا شکار نہیں ہوگا۔ تاہم معاشی اور سماجی حُقوق، جو زیادہ تر حکومتی توثیق ہی وصول کرتے ہیں نہ سرکاری قدغن کا شکار ہوتے ہیں، ان میں سے کسی کے لیے بھی مذکورہ سُلوک کی ضمانت واجب نہیں۔ یقیناً شہری اور سیاسی حقوق (مثبت) ریاستی اقدامات کا تقاضہ کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر مناسب قانونی کارروائی کا طریقہ ہائے کار اور شفاف مقدمہ کی سماعت کی ضمانتیں مملکت سے امسالِ انصاف کے لیے اداروں کے قیام اور انتظام و انصرام، ظلم سے تحفظ، غیر انسانی اور ہتک آمیز سلوک سے بریت کے اقدامات اور فوجداری سزاؤں کے سرشتہ میں سرکاری سرمایہ کاری کے طلبگار ہیں۔ لیکن قابل ذکر امر یہ ہے کہ یو ڈی ایچ آر میں درج معاشی اور سماجی حقوق کو مکمل طور پر صرف سیاسی نظام حکومت میں ہی حاصل کیا جاسکتا ہے، اس مقصد کے لیے حکومت کے پاس خاطر خواہ مالیاتی اور مادی وسائل موجود ہونے چاہئیں، حتیٰ کہ وہ زیادہ تر مختلف نوعیت کے سرکاری معاشی سرشتوں اور اداروں پر انحصار کرتے ہیں اور اکثر و بیشتر فلاحی پالیسیوں کے لیے دستیاب محدود سرکاری وسائل میں سے خرچ کرنے کے لیے الجھن کا شکار، مثال کے طور پر امسال تعلیم یا معاشی تحفظ کے بجائے حفظان صحت میں سرمایہ کاری کو ترجیح دینے، کا شکار ہوتے ہیں۔

اس کے علاوہ معاشی اور معاشرتی حقوق کا نظریہ امریکہ جیسے آئینی نظام میں زیادہ موزوں نہیں رہتے، جہاں پر اختیار اور جمہوری قانونی استحقاق کی علیحدگی کے اصول کے تحت بنیادی معاشرتی فلاح کی پالیسیوں کی تشکیل کے اختیارات عدلیہ کے بجائے سیاسی اداروں کو تفویض کیے گئے ہیں۔ آخر میں قابل غور امر یہ ہے کہ بین الاقوامی منشور کی منظوری کے وقت سے لیکر متعدد مطلق العنان ریاستوں، جیسا کہ ماضی

میں سوویت یونین اور آج چین، کیوبا اور وینزویلا، نے اپنے شہریوں کے بنیادی شہری اور سیاسی حقوق کی شدید اور بے جا پامالیوں کا جواز پیش کرنے کے لیے ہمیشہ معاشی اور سماجی حقوق کی تشریح کا سہارا لیا ہے۔

حاصل مقصد یہ کہ بین الاقوامی منشور کے اصول امریکہ کی خارجہ پالیسی کی تشکیل کے موقع پر معاشی اور معاشرتی حقوق کی فراہمی پر بھی سنجیدہ غور کا تقاضہ کرتے ہیں۔ تاہم متعدد اسباب، بشمول ہماری اپنی آئینی روایات سے لیکر خود بین الاقوامی منشور کے اندر حقوق کی پامالی سے متعلق دانشمندانہ تشویش کے اظہار کی زبان تک، امریکہ کے لیے یہ مناسب ہو گا کہ وہ معاشی اور معاشرتی حقوق کا ادراک شہری اور سیاسی حقوق سے مختلف انداز میں کرے۔ معاشی اور سماجی حقوق کو اقتصادی امداد کی فراہمی اور ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل کے توسط سے حاصل کرتے ہوئے اور شہری اور سیاسی حقوق کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے امریکہ اپنے آئینی اصولوں اور یو ڈی ایچ آر کے اصولوں کے ساتھ مسلسل کام کرتا ہے۔

سوئم: انسانی حقوق اور ریاستوں کی ذمہ داری

امریکی حکومت کا اہم ترین فریضہ آئین کے تحت اپنے شہریوں کے ناقابل تنسیخ حقوق کی حفاظت کرنا ہے، جس کو وہ ملک کے مثبت قانون میں دیئے گئے حقوق کو اظہار کی زبان دے کر پورا کرتا ہے۔ بیسویں صدی میں معاشرتی اور معاشی تبدیلیوں کے تناظر میں امریکی حکومت نے سماجی اور معاشی بہبود اور خوشحالی کے بنیادی عناصر، جیسا کہ حصہ دوئم میں بیان کیا گیا ہے، کی فراہمی کے لیے اضافی ذمہ داریاں سنبھال لی ہیں۔

ذمہ داری سنبھالنا یو ڈی ایچ آر کی اُس توثیق سے مطابقت رکھتی ہے کہ مذکورہ حُقوق صرف موثر حکومتی اقدامات کے ذریعہ ہی حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ یہ بات نہ صرف یو ڈی ایچ آر کے معاشی اور سماجی حقوق کے بارے میں سچ ہے بلکہ اس کے بہت سے سیاسی اور شہری حقوق کے بارے میں بھی صحیح ہے۔ جمہوری سیاسی شرکت کے حق پر غور کریں تو مناسب رائے دہی کے نظام کے قیام اور نظم و نسق، اُن کی خود مختاری، ووٹ دینے کے لیے شہریوں کی محفوظ اور آزاد رسائی اور دھوکا دہی کی روک تھام کے لیے حکومتی اقدامات کے بغیر یہ حق موثر طریقہ سے استعمال ہی نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ خارجہ پالیسی اور بیرون ملک امداد کی فراہمی کی ترجیحات میں نہ صرف بدترین بدسلوکیوں کی روک تھام پر مرکوز ہو بلکہ اُن قوموں کی لازمی مدد کرنی چاہیے جو دہشت گردی اور غلاموں کی تجارت کی جدید شکل یعنی انسانوں کی غیر قانونی منتقلی جیسی برائیوں سے نمٹنے کے لیے کوشاں ہیں۔

سخت حدود کا بھی ضرور احترام کرنا چاہیے۔ حکومت کی رسائی کے بارے میں بنیادی تشویش، جو امریکی آئینی روایت میں مرکزی حیثیت کی حامل ہے، ہمیشہ پالیسی کو مطلع کرے۔ اگر انسانی حقوق کو محض ریاستی مداخلت کو جائز قرار دینے کے بنیادی آلات بننا پڑے تو وہ اپنے اصل حیثیت سے انحراف یا غداری کرتے ہیں اور ہر جابر حکومت کا کھلونا بن جاتے ہیں، جو اپنی مجرمانہ کارروائیوں کو چھپانے کے لیے انسانی حقوق کی زبان کا سہارا لیتی ہیں۔ ہم نے حال ہی میں بعض ملکوں کی افسوسناک مثالیں دیکھی ہیں کہ وہ کیسے کووڈ۔۱۹ وبا کا عذر پیش کر کہ پریس اور اظہار رائے کی آزادی اور انسانی

حُقوق کے کارکنوں کی غیر قانونی گرفتاری میں ملوث رہی ہیں۔ امریکہ کو ہوشیار رہنا رہنا چاہیے اور سرکاری اختیارات کے محدود دائرہ عمل سے متعلق اپنے تاسیسی اصولوں کی پاسداری برقرار رکھنی چاہیے اور جب اور جہاں بھی ممکن ہو مطلق العنان طرز حکمرانی کا موثر توڑ کرنا چاہیے۔ لیکن اُن حدود کا احترام کرتے ہوئے امریکی خارجہ پالیسی پر سب ملکوں میں عوامی فلاح و بہبود کی خاطر مثبت اور مؤثر گڈ گورننس کے اداروں کی مدد کرنا لازمی ہے۔

چہارم۔ جمہوریت اور انسانی حقوق

ہم نے دیکھا ہے کہ ناقابل تنسیخ حقوق سے متعلق امریکی روایت میں جمہوری خود اختیاری پر زور دیا گیا ہے۔ متعدد بنیادی حقوق، جیسا کہ ووٹ دینے کا حق، تقریر کا حق، اجتماع اور انجمن سازی کا حق وغیرہ جمہوریت کی مثبت فعالیت کے لیے کلیدی اہمیت رکھتے ہیں۔ اور نتیجہ میں مشترکہ سیاسی زندگی اور شہری حقوق کا احترام کسی دیگر طرز حکمرانی کے بجائے جمہوری خود مختار حکمرانی کے نظام میں ممکن ہونے کی امید زیادہ ہوتی ہے۔ انسانی حقوق کے احترام کی روایت کو کامیاب کرکے یہ طرز حکومت بنیادی حقوق کی فراہمی کے خواب کو شرمندہ تعبیر کر سکتا ہے۔ جمہوری سیاست کا عمل سیاسی روایت کے مرکز میں حقوق کی ترتیب، حقوق کے دعووں کی مناسب مصلحت اور ہم آہنگی اور اُن بیشمار حقوق کے حصول کی خاطر وسائل بروئے کار لانے میں نمایاں کردار ادا کرتا ہے، جن کو حاصل کرنے کی بہت سی جمہورتیں خواہاں ہوتی ہیں۔ نئے حقوق کا تسلیم ہونا اور سماجی طور پر جائز قرار دیا جانا جمہوری تبادلہ خیال، ترغیب اور فیصلہ سازی کا نتیجہ ہے۔ جمہوریت اور ناقابل تنسیخ حقوق کی وابستگی کی مثال حقِ خود حکمرانی کی حمایت میں امریکی، دوسری عالمی جنگ میں اعلان کردہ جنگی مقاصد اور سوویت شہنشاہیت کے زوال کے بعد جمہوری بحالی کی "تیسری لہر" کے دوران دیکھی جاسکتی ہے۔

بالکل اِسی نوعیت کی ایک کڑی انسانی حقوق کے بین الاقوامی منشور میں بھی عیاں ہے۔ یوڈی ایچ آر اُن کلاسیکی شہری اور سیاسی حقوق کو نمایاں کرتا ہے جو جمہوری عمل کے استحکام اور آزادی کے لیے ضروری ہیں اور آزاد اور حقِ خود حکمرانی پر مبنی معاشرہ کے لیے مطلوبہ شہری انجمنوں کا تحفظ کرتا ہے۔

یہ سیاست میں شرکت کے حق کو براہ راست اس امر کے عمومی اعتراف کے تناظر میں واضح مقام دیتا کہ "لوگوں کی مرضی ہی حکومت کے اقتدار کا بنیاد ہوگی" اور وہ وقتاً فوقتاً اور جائز انتخابات کا مشورہ دیتا ہے جو ہمہ گیر اور مساوی رائے دہی اور آزادانہ ووٹ دینے کے طریقہ ہائے کار کی توسط سے ہوں گے۔ یوڈی ایچ آر کے ڈھانچہ میں اجتماعیت اور مرکزی اقتدار اعلیٰ مطابقت کے ساتھ یہ بات سامنے آتی ہے کہ جمہوری خود حکمرانی نظام یو ڈی ایچ آر کے بنیادی اصولوں کے حصول کے لیے لازمی ہیں۔

یو ڈی ایچ آر اور امریکی آئین اور سیاسی روایت کے بنیاد کے اس ملاپ میں خارجہ پالیسی کیے لیے مضمرات ہیں۔ یہ جمہوری عمل اور آزاد اداروں کی ترقی کے عزم کی جانب مدعو کرتے ہیں جس کو امریکی انسانی حقوق کے ایجنڈا میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اس عزم کی عکاسی محکمہ خارجہ کے بیورو برائے اُمور جمہوریت، انسانی حقوق اور لیبر کی موجودگی ہے، اس کے علاوہ دیگر متعلقہ اقدامات کی جانب امریکہ کی پُرجوش حمایت جیسا کہ "انٹر امریکن ڈیموکریٹک چارٹر" میں سے بھی اس کا اظہار ہوتا ہے۔ آزادی اور جمہوریت کا احترام امریکہ پر لازم کرتا ہے کہ وہ دوسرے ملکوں میں جمہوری اکثریتوں کے فیصلوں کو مناسب ادب اور احترام دے اور اس بات کو تسلیم کرے کہ خود حکمرانی کے نظام پر عملدرآمد سے دیگر قوتوں کو اپنی نمایاں ترجیحات اور بنیادی عوامی پالیسیاں طے کرنے کی ترغیب ہوگی۔ امریکہ کی جانب سے حقوق کا فروغ عام رواجی جمہوری سیاست اور جائز قومی خود مختاری کے حق کے مستقل احترام پر مبنی ہونا چاہیے اور جمہوریت مخالف حقوق کے دعووں کی حمایت سے گُریز کرنا چاہیے۔ بصورت دیگر امریکہ کسی ایسی ثقافتی توسیع پسندی کی حمایت میں مبتلا ہو سکتا ہے، جو اپنی مخصوص پالیسی ترجیحات اور تنظیمی بندوبست خود سے نہایت مختلف روایات کی حامل قوموں پر مسلط کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

پنجم۔ انسانی حقوق کی درجہ بندی

یہ سوال کافی زیر بحث رہا ہے کہ آیا بین الاقوامی منشور کے قانون میں بعض حقوق دوسروں کی نسبت زیادہ اہم ہیں یا بعض حقوق کو زیادہ ترجیح دی جانی چاہیے۔ جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ بین الاقوامی منشور میں انسانی حقوق جامع خصوصیت کے حامل ہیں اور اُن کا مقصد ایک دوسرے کی نسبت منسوخ کرنا یا ایک دوسرے کے برعکس استعمال ہونا نہیں ہے کیونکہ ان تمام حقوق میں کسی نہ کسی حد تک انسانی عظمت اور وقار کے تقاضوں کی نمائندگی کی گئی ہے۔ اپنی ترجیحات اور نظریاتی مفروضوں کے تحت مذکورہ نظریہ یو ڈی ایچ آر میں دی گئی انتخاب کی سہولت کے ڈھانچہ اور ارادہ کو رد کرتا ہے کہ بعض حُقوق کو نظر انداز کر کہ دیگر کو ترجیح دی جاسکتی ہے۔ بین الاقوامی قانون کے تحت انسانی حقوق کی پاسداری کے وعدوں میں ناکامی کی صورت میں حقوق کے مابین مذکورہ تصادم کو کسی صورت بطور عذر قبول نہیں کیا جاسکتا۔

یو ڈی ایچ آر میں مضمر بنیادی انسانی حقوق کا باہمی انحصار، ۱۹۹۳ء میں اقوام متحدہ کی جانب سے سرد جنگ کے خاتمہ کے بعد کی صورتحال میں، انسانی حقوق پر پھر سے توجہ مبذول کرانے کی غرض سے ویانا میں منعقدہ کانفرنس میں واضح کر دیا گیا۔ کانفرنس کے اختتام کے موقع پر ۱۷۱ ملکوں بشمول امریکہ نے ویانا اعلان اور عملدرآمدی منصوبہ کی توثیق کی کہ "تمام انسانی حقوق ہمہ گیر، ناقابل تقسیم، آزاد اور باہمی منسلک ہیں۔" تاہم بین الاقوامی منشور میں خود حقوق کے درمیان اور اسی طرح یو ڈی ایچ آر کی روشنی میں ترتیب شدہ مثبت حقوق میں مخصوص امتیازی خصوصیات کو بطور فطری تسلیم کرنا میثاق سے انحراف نہیں ہے۔ بین الاقوامی قانون میں اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے کہ بعض انسانی حقوق قطعی اور مطلق یا اس کے قریب ترین ہیں، جس میں چند یا صفر استثنات کی گنجائش ہو سکتی ہے حتیٰ کہ قومی ہنگامی حالات میں بھی، جبکہ دوسرے حقوق متعدد مناسب پابندیوں یا دستیاب وسائل اور انتظامی بندوبست پر منحصر ہوتے ہیں۔ بعض ضوابط جیسا کہ قتلِ عام کی ممانعت، اس قدر ہمہ گیر ہیں کہ اُن کو بحیثیت ناقابل تنسیخ قانون قرار دیا گیا

ہے یعنی وہ قانون جس کو کوئی بھی ریاست جائز طریقہ کار سے نظر انداز کر ہی نہیں سکتی، جبکہ دوسرے ضوابط تسلیم کرنے یا نہ کرنے کے لحاظ سے خود مختار ہیں۔ بعض انسانی حقوق کا استعمال قوموں کے مابین اعلیٰ درجہ کے عملدرآمدی یکسانیت کا تقاضا کرتا ہے جیسا کہ تشدد کی ممانعت کا معاملہ لیکن دوسرے حقوق حکومتی اقدامات میں کافی گنجائش عطا کرتے ہیں جیسا کہ کسی کی رازداری کی حفاظت کا حق۔ محکمہ خارجہ کے بیورو برائے اُمورِ جمہوریت، انسانی حقوق اور لیبر کی خدمات اِس قسم کے غور و فکر کی عکاسی کرتی ہیں۔

عملی طور پر حقوق کی ترجیحات کے بارے میں فیصلے نہ صرف ناگزیر بلکہ ضروری بھی ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے، مختلف صورتحال میں بعض حقوق کو ضروری منطقی برتری حاصل ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں، حقوق کی حیثیت کے بارے میں کئی دعوے تصادم کا شکار ہیں لہٰذا اُن کے درمیان مناسب مطابقت کی گنجائش تلاش کرنا ضروری ہے۔ مثال کے طور پر امریکہ نے اظہار کی آزادی کو اتنے نمایاں درجہ کی اہمیت دی ہے کہ واشنگٹن بین الاقوامی ضوابط میں اپنی ہی جانب سے توثیق کردہ نفرت انگیز تقریر پر پابندی کی شرط پر عملدرآمد کرنے سے قاصر نظر آتا ہے۔ حقوق کو مناسب وقعت دینے سے متعلق دلیل پر اختلافات ناگزیر اور قابل قبول ہیں۔ اِسی طرح، امریکی صدر اور کانگریس کی یہ آئینی ذمہ داری ہے کہ کسی بھی مخصوص وقت کے مشکل ترین اور کلیدی انسانی حقوق کے اُمور کے بارے میں پیچیدہ سیاسی جائزہ لیکر سفارتی اور سیاسی ترجیحات کے بارے میں مشکل فیصلہ کریں۔

انسانی حقوق سے متعلق ہر سرکاری، غیر سرکاری یا بین الحکومتی ادارہ ایک ہی کام کرتا ہے۔ اُن کی ترجیحات سے مخصوص تاریخی پس منظر اور عزم کا اظہار ہوتا ہے، جیسا کہ امریکی کانگریس کی جانب سے مذہبی آزادی کی فراہمی اور غلامی کی جدید شکل یعنی انسانی اسمگلنگ کی روک تھام سمیت مخصوص انسانی حقوق کے تحفظ کی خاطر دفاتر کا قیام دراصل امریکہ کے منفرد تاریخی تجربہ کی عکاسی اور امریکی عوام کی ترجیح اور دیرینہ دلچسپی کی نمائندگی کرتا ہے۔

مختصر یہ کہ چونکہ بین الاقوامی حُقوق کا منشور انسانی حقوق کے انحصار کے بارے میں منفرد وضاحت نہیں کرتا اور اگرچہ یہ بھی اصولی طور پر اہم ہے کہ انسانی عظمت سے متعلق تمام تر حقوق کے باہمی انحصار کی توثیق کی جائے تو امریکی خارجہ پالیسی میں استعداد ہے کہ وہ یو ڈی ایچ آر سے ہم آہنگ ہو کر تعین کرے کہ کس عرصہ میں کون سے قوانین قومی اصولوں، ترجیحات اور مفادات سے مطابقت رکھتے ہیں۔ اس نوعیت کے تعین کے موقع پر انسانی حقوق منصوبے کے لیے امریکہ کی نمایاں خدمات اور موجودہ حالات، خطرات اور مواقع کے بارے میں دانشمندانہ اندازہ لگایا جائے۔

ششم۔۔ نئے حقوق کی ابتداء

امریکی بانی رہنماؤں کی طرح، جنہوں نے اس بات کا ادراک کر لیا تھا کہ "زندگی، آزادی اور خوشی کی جستجو" کا نام رکھ کر اعلان آزادی نے "بعض ناقابل تنسیخ حقوق" کی بنیاد رکھی اور کوئی لمبی چوڑی فہرست نہیں دی، بالکل اِسی طرح انسانی حقوق کے بین الاقوامی منشور کو وضع کرنے والوں نے بھی اس بات کو تسلیم کیا کہ ۱۹۴۸ء میں نشاندہی کردہ فہرست کو کامل تصور نہیں کیا جا سکتا۔ انہیں معلوم تھا کہ انسانی حقوق کا نظریہ، انسانی شخصیت کے برتر

وقار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آزادی اور مساوات کو درکار نئی تشریحات کا احاطہ کرنے کے قابل ہے۔ اور جس طرح امریکہ کے باسی گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ اپنے تاسیسی اصولوں کے مضمرات کو سمجھنے اور قبول کرنے کے قابل ہوئے، اسی طرح بین الاقوامی منشور میں شمولیت اختیار کرنے والی قوموں کو بھی دستاویز کے اصولوں کے مضمرات کو سمجھنے اور قبولیت میں عرصہ لگا۔ لہٰذا آزادی، برابری اور انسانی عظمت کے نکات مستقل قائم رکھتے ہوئے بھی تسلیم شدہ انسانی حُقوق کی فہرست میں کچھ توسیع کی اُمید کرنا جائز ہے۔

تاہم یہ بات ذہن نشین کرنی چاہیے کہ یہ زیادہ تر اُس کی رسائی کی حدود کی وجہ تھی کہ یوڈی ایچ آر انسانی حقوق کے منصوبہ کو عالمی پیمانہ پر قائم کرنے میں کامیاب رہا۔ یوڈی ایچ آر کو دانستہ طور پر حقوق کے ایک مختصر مجموعہ تک محدود کیا گیا تھا جس کے وجہ سے یہ تصور کیا گیا کہ منشور بین الاقوامی اتفاق رائے حاصل کر چکا ہے۔ مُرتب کرنے والوں کو معلوم تھا کہ حقوق کی فہرست کو سخت حدبندیوں میں رکھنے سے ہر ایک حق کو اعلیٰ سیاسی اہمیت حاصل ہو گی اور حقوق کے دعوؤں کے درمیان تنازعہ بتدریج کم کرنے میں مدد ملے گی، وہ تنازعات جو کسی مخصوص حق یا بالعموم دوسرے حقوق کے حصول کو تحلیل کر دیں گے۔ وہ خدشات آج ۷۰ سال بعد زیادہ بر محل ہیں حالانکہ اب انسانی حقوق کے حصول کے ذرائع کی تعداد میں حیرت انگیز طور پر کئی گنا اضافہ واقع ہو چکا ہے۔ اقوام متحدہ کے بیشتر اداروں، علاقائی انسانی حقوق کے تحفظاتی سرشتوں اور خصوصی اداروں مثلاً انٹرنیشنل لیبر آرگنائزیشن اور یونیسکو کو مد نظر رکھیں تو آج درجنوں معاہدے، سینکڑوں قراردادیں اور اعلانات اور ہزاروں ایسی شقیں انفرادی انسانی حقوق کی تشریح کرتی ہیں جو کہ اقوام متحدہ کے معروف انسانی حُقوق کے متعلق نو معاہدوں میں شامل نکات سے کہیں زیادہ ہیں۔ تاہم اِس بات پر پریشانی حق بجانب ہے کہ انسانی حقوق کی حیرت انگیز وسعت نے انسانی حقوق کے دعوؤں کو مضبوط اور مستحکم بنانے کے بجائے کمزور کر دیا ہے اور سب سے زیادہ محروم افراد کو مزید خطرات سے دوچار کر دیا ہے۔ حقوق کی تعداد کی وافر موجودگی کے نتیجہ میں ضروری نہیں ہے کہ ہمیشہ انصاف کی فراہمی میں اضافہ ہو۔ ہر قابل قدر سیاسی ترجیح کو انسانی حقوق کے دعویٰ میں تبدیل کرنے کا عمل لازمی طور پر انسانی حقوق کی حقانیت کو نقصان پہنچاتا ہے۔

چناچہ ریاستہائے متحدہ امریکہ انسانی حقوق کے نئے دعوؤں کی توثیق پر رضامندی کھلے دل مگر احتیاط سے کرے۔ اس حوالہ سے مُشکل سوالات ضرور اُٹھائے جانے چاہئیں کہ کیا بعض مخصوص حقوق کے دعویٰ کا یوڈی ایچ آر کے اصولوں اور عزم کی حُدود میں کوئی جواز ہے۔

اس مسئلہ کے حل کا ایک راستہ یہ ہے کہ یوڈی ایچ آر کے انسانی وقار سے متعلق بنیادی تصور سے رجوع کیا جائے۔ بلاشبہ نئے حقوق تسلیم کرنے اور موجودہ حقوق کی حیرت انگیز تشریحات، توسیع اور استعمال کے دلائل اِس بنیادی نظریہ کی جانب توجہ مبذول کر کے اپنا مقدمہ پیش کرتے ہیں۔ اِس بات پر عوامی بحث کہ کیا کسی حق کا کوئی خاص دعویٰ اخلاقی مطالبات کا اظہار ہے جو تمام اشخاص کے لیے مساوی اور فطری وقار کو تسلیم کرنے سے نکلتا ہے نہایت اہم ہے اور پالیسی سازوں کو کسی حق کا نیا دعویٰ قبول کرنے یا مسترد کرنے کے بارے میں مدد ملے گی۔ تاہم انسانی وقار کی براہ راست توجہ مبذول کرانے کی کوشش حقوق کے جائز اور ناجائز دعوؤں کے درمیان تمیز کرنے کی خاطر بالکل ناکافی ہے۔ وقار کی اصطلاح خود انتہائی متنازعہ نظریہ ہے جس کا متن نہ صرف حیرت انگیز طور پر مختلف ثقافتوں میں بلکہ ہمارے جدید اجتماعی معاشروں کے اندر بھی مختلف ہوتا ہے۔

عصر حاضر کے نہایت منقسم اخلاقی معاملات پر بحث کے دوران دونوں فریقین کی جانب سے انسانی عظمت کے بارے میں دلائل دیے جاتے ہیں، جیسا کہ رضاکارانہ موت کو قانونی شکل دینے کے بارے میں۔

اس امر کا جائزہ لینے کے لیے دیگر پیمانے درکار ہیں کہ انسانی حُقوق کا کوئی نیا دعویٰ کیا امریکی خارجہ پالیسی کے تحت حمایت کا مجاز ہے یا کب حمایت کرنی چاہیئے؟

کمیشن کو یقین ہے کہ مندرجہ ذیل خیالات بر محل ہیں:

بین الاقوامی منشور کی واضح زبان میں انسانی حقوق کا دعویٰ کتنی گہرائی سے سمایا ہوا تھا جب مرتبین نے دستاویز ترتیب دیا اور اس کو سمجھا اور ۱۹۴۸ء میں امریکہ نے اس کی توثیق کی، اور اس کے علاوہ امریکہ کے منظور کردہ یا توثیق کردہ دیگر انسانی حقوق کی دستاویزات کی زبان میں بھی جن کو امریکہ نے منظور کیا یا تصدیق کی ہے۔ ان دستاویزات کی محتاط انداز میں طے کردہ زبان اہمیت کی حامل ہے ۔ اگر اتفاق کردہ تحریر اور افہام و تفہیم کو نظر انداز کر دیا جائے یا طے کردہ بیان میں مبالغہ آرائی سے کام لیا جائے تو انسانی حقوق کی زبان لامحدود حد تک لچکدار اور مقصد سے منحرف ہو سکتی ہے۔

کیا نیا دعویٰ امریکہ کے آئینی اصولوں، اخلاقی، سیاسی اور قانونی روایات سے ہم آہنگ ہے۔ کیا امریکی لوگوں کی اکثریت نے اپنے جمہوری طریقہ سے منتخب نمائندوں کی توسط سے اِس کو تسلیم اور قبول کیا ہے؟ تاہم اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مخصوص امریکی نقطہ نظر بین الاقوامی انسانی حقوق کا عمومی رُخ تبدیل کرنے کے لیے مُسلط کیا جائے۔ لیکن امریکی خارجہ پالیسی میں حقوق کے کسی نئے دعوے کے بارے میں امریکہ کے عوام کی حمایت کو زیرِ غور لائے بغیر تسلیم اور قبول کرنے سے اندرونِ مُلک اُس کی ساکھ گنوانے کا اندیشہ ہے۔

کیا بین الاقوامی قانون وضع کرنے کے مقصد سے جاری بحث و مباحثہ میں امریکہ اور دیگر ہم خیال جمہوریتوں نے مستند یا سیاسی توسط سے باضابطہ طور پر خود مختار رضامندی کا اظہار کیا ہے (بالخصوص معاہدوں کی صاف اور واضح شرائط کی منظوری کے ذریعہ)۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ عالمی قانون میں آزادانہ رضامندی کا کردار جمہوری حق خود حکمرانی کے نظریہ کو بین الاقوامی برادری کی جانب سے تسلیم کردہ اصولوں میں شمولیت سے منسلک کرتا ہے۔

حقوق کے نئے دعوے داخلی آئینی معاملات اور جمہوری پالیسیوں پر ناگوار اثرات مرتب کرتے ہیں، مثال کے طور پر بین الاقوامی کمیشنوں اور کمیٹیوں، انفرادی ماہرین اور حمایتی گروہوں کی جانب سے طے کردہ معیاری اصول انسانی حقوق کی موزوں پہنچ کے بارے میں اظہار کے مفید ذرائع ہوسکتے ہیں لیکن اُن میں قانون کے باقاعدہ اختیار کا فقدان ہو سکتا ہے۔

کیا نئے دعوے سے بنی نوع انسان کی مختلف ثقافتوں اور روایتوں سے تعلق رکھنے والی اکثریت کے وسیع اور واضح اتفاق رائے کی نمائندگی ہوتی ہے، جیسا کہ بین الاقوامی میثاق (منشور) برائے حقوق کی منظوری کے موقع پر ہوا تھا اور کیا وہ محض کوئی کُند ذہن تقسیم یا نظریاتی عناد تو نہیں ہے؟ دونوں نوعیت کے حالات میں خصوصی احتیاط سے کام لینے کی تاکید کی جاتی ہے۔ بعض اوقات غیر جمہوری اور جابر حکومتیں تسلیم شدہ ہمہ گیر حقوق کے اتحاد اور اثر کو کم کرنے کی نیت سے نئے وسیع حقوق کی پاسداری کرتی ہیں۔ دیگر صورتحال میں روایتی سیاست اور اندرونی جمہوری عمل سے پہلو تہی کرنے کے خواہشمند کارکن انسانی حقوق کی زبان اور ڈھانچہ کو اپنے اُس مخصوص ایجنڈے کو پروان چڑھانے کے لیے استعمال کرتے ہیں جو دراصل دیگر قوموں کی برادری اور بعض اوقات اُن کی اپنی قوم میں مقبول عام نہیں ہوتے۔

کیا نئے حق کا موجودہ انسانی حقوق کے وجود میں متواتر انضمام کیا جاسکتا ہے؟ نئے حقوق کے دعوؤں کا خیال ہمیشہ ممکنہ تنازعات اور حقوق کے دعوؤں کی مصالحت کرانے کی ضرورت کا لازمی احساس کرے اور ہر ایک دعویٰ کو اس کا مطلوبہ حق دینا چاہیے۔ انتہائی محتاط رضامندی اور وسیع تر اتفاق رائے کے ذریعے وضع کردہ انسانی حقوق کے موجودہ بنیادی ڈھانچہ کو کسی نئے اور ماضی میں غیر تسلیم شدہ دعوے کو پیشرفت کا موقع دینے کی نیت سے نظر انداز کرنا خطرناک قدم ہے، جو کہ تمام تر سلسلہ ختم کر سکتا ہے۔

مذکورہ اُصول جامع نہیں ہیں اور نہ ہی قطعی۔ حق صادر ہونے کے کسی نئے دعوے کی قانونی حیثیت کا جائزہ لینا، خصوصی طور تبدیلی کے حالات میں، خودکار تدبیر سے ممکن نہیں ہے بلکہ اس کے لیے دلیل، تجربہ، غور و فکر اور دانشمندانہ فیصلہ درکار ہے۔

ہفتم:- بین الاقوامی انسانی حقوق منشور کے بعد انسانی حقوق اور مثبت قانون

یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ لازمی قانونی آلات کار کے ذریعہ انسانی حقوق کے مثبت عالمی قانون کی تشکیل انسانی حقوق کے بعض معنی، دائرہ کار اور بناوٹ سے متعلق کسی غیر یقینی کا جواب دینے کے لیے از خود کافی ہے۔ درحقیقت ۱۹۴۸ء سے لیکر یو ڈی ایچ او کے انسانی حقوق سے متعلق اصولوں کو متعدد میثاقوں کی توسط سے انسانی حقوق کی لازمی قانونی پاسداری کی ذمہ داریوں میں تبدیل کرنے کی اجتماعی کوششوں کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے ہیں۔ انسانی حقوق کے معاہدوں کے قانون کی تشکیل سے قوموں کی برادری میں انسانی حقوق کے بارے میں وسیع تر اتفاق رائے کی عکاسی ہوتی ہے۔

بین الاقوامی منشور میں آرزومندانہ اور حیرت انگیز مقاصد کو سخت قانونی تقاضوں کے ساتھ جوڑنے، منظم اداروں کے زیرِ نظر اُن کی نگرانی اور فروغ سے انسانی حقوق کے تحفظ کے اقدامات اور امکانات میں اضافہ ہوتا ہے۔

اس کے ساتھ حکومتوں اور مفکروں نے اعتراض اٹھایا ہے کہ کیا معاہدوں میں انسانی حقوق کی کثیر تعداد شامل کرنا خالصتاً اچھا عمل ہے۔ انسانی حقوق کے نئے معاہدوں کی ذمہ داریوں کی کثرت کی شمولیت سے انسانی حقوق کے قانون کے اثر میں اضافہ ہوتا نظر نہیں آرہا اور نہ ہی دنیا بھر میں بنیادی انسانی حقوق کی بتدریج بڑھتی خلاف ورزیوں کے آگے بند باندھا گیا ہے، حتیٰ کہ ایسے ملکوں میں بھی جنہوں نے تمام بڑے معاہدوں کی توثیق کی ہے۔ میثاقی قانون میں مستقل اضافہ کرنے کی وجہ سے موجودہ انسانی حقوق کی ذمہ داریوں کی مؤثر پاسداری میں ناکامی کے نتیجہ میں انسانی حقوق کے سرشتہ کی توقیر کو شدید دھچکا لگ سکتا ہے۔

تاہم اس بات کو تسلیم کرنا بھی اہم ہے کہ انسانی حقوق کے مثبت قانون میں وسعت کے باوجود وہ انسانی حقوق کی نوعیت اور دائرہ کار کے بارے میں اختلافات کا خاتمہ نہیں ہو سکا۔ اس کے برعکس معاہدہ کے نئے قانون اور بین الاقوامی اداروں کی کارکردگی سے انسانی حقوق کی رسائی میں توسیع تو ہوئی ہے لیکن ان کی وجہ سے متعدد نئے تنازعات نے بھی جنم لیا ہے۔ یہ ایک ناگزیر عمل ہے۔ حتیٰ کہ جیسا کہ معاہدوں میں مزید وضاحت کی گئی ہے کہ عالمی انسانی حقوق قانون کے اصول، نامکمل اور ناتواں ہیں، جیسا کہ ان کو ہونا بھی چاہیے، اس لیے متواتر تنقیدی تجزیہ اور نظر ثانی کے مرہونِ منت ہوتے ہیں۔ یہ سب سچ ہے کیونکہ مثبت انسانی حقوق عالمی قانون، قومی مملکتوں کے مرتب کردہ آئینوں کے برعکس، جامع قانونی ڈھانچہ مہیا نہیں کرتا اور قانونی تنازعات کے تصفیہ میں از خود بااختیار اور حتمی ثالث بھی نہیں ہے۔

علاوہ ازیں اس بات کی قدر کرنا انتہائی اہم ہے کہ انسانی حقوق کا مستند قانون مثبت قانون کی موجودہ سرحدوں کے اوپر سے تشریحی طور باہر نکلنے والے کلیدی سوالوں کا جواب دینے سے قاصر ہے۔ انسانی حقوق کا بنیادی نظریہ ایک ایسے حق کا ہے جو اشخاص میں فطری طور پر سمایا ہوا ہے نہ کہ وہ اپنے وجود کے انحصار کے لیے کسی ملک کی قانون سازی یا عالمی ادارے کا مرہون منت ہے۔ مثبت قانون افراد اور دیگر ریاستوں پر کسی ملک کی جانب سے قابل نفاذ ذمہ داریاں قائم کر سکتا ہے۔ لیکن مثبت قانون، چاہے وہ کسی قومی حکومت کا ہو یا بین الاقوامی قانونی نظام کا حصہ، وہ نہ تو کوئی انسانی حق پیدا کر سکتا ہے اور نہ ہی کسی حق کو خاموش یا مسنوخ کر سکتا ہے۔ یہ حقیقت کہ مثبت قانون نے کسی چیز کو بطور ایک انسانی حق تسلیم کر لیا ہے تو وہ امر اُس قانون کو نظر ثانی، تجزیہ یا ترمیم سے ماورا نہیں بنا سکتا۔ اگرچہ انسانی حقوق وہ معیار ہے جس کی روشنی میں ہم مثبت قوانین کا انصاف پرکھتے ہیں تاہم کسی بھی قومی مملکت یا بین الاقوامی ادارہ کو اس بات کی اجارہ داری یا حتمی رائے کا اختیار نہیں ہے کہ انسانی حقوق کا تقاضا کیا ہے۔ المختصر انسانی حقوق جتنے بنیادی اصول فراہم کرتے ہیں، جن کی مدد سے مثبت قوانین کے انصاف یا عدم انصاف کو جانچا جاتا ہے، کوئی بھی مثبت قانون، چاہے قومی یا بین الاقوامی، انسانی حقوق کا حتمی ثالث تصور نہیں کیا جا سکتا۔

انسانی حقوق کا مثبت بین الاقوامی قانون اس بات کا تعین بھی نہیں کر سکتا کہ آیا امریکہ کو انسانی حقوق کے کسی مخصوص معاہدہ کی توثیق کر کے اپنے لیے لازمی مثبت قانون وضع کرنا چاہیے۔ کسی معاہدہ کا محض وجود اُس کے بطور مثبت بین الاقوامی قانونی ذمہ داری قبول کیے جانے کا معیار نہیں ہے۔ بہتر یہ ہو گا کہ اس بحث کے دلائل بین الاقوامی قانون کی موجودہ صورت سے ہٹ کر اصولوں اور مفادات پر مبذول کریں اور امریکہ اور دوسری آزاد جمہوریتوں میں اپنے منتخب نمائندگان کے ذریعہ عملدرآمد کرنے والے شہریوں کی اکثریت کو ترغیب دیں۔

اسی طرح کسی بھی مثبت قانون کو مفاد عامہ اور انصاف کی روشنی میں تنقیدی تجزیہ اور نظر ثانی کے تابع ہونا چاہیے اور تبدیل ہونے والی ضروریات اور حالات کے مطابق ردعمل دینے کے قابل بھی ہونا چاہیے۔ یہ انسانی حقوق کے بین الاقوامی قانون کے لیے سچ سے کم نہیں ہے۔ لیکن یہ سب مثبت قانون کی حدود کے اندر سے انفرادی طور پر سرانجام نہیں دیا جاسکتا۔ یہ افسوسناک ستم ظریفی ہو گی اگر انسانی حقوق کا نظریہ، جو قوموں کے مثبت قوانین کے عدل و انصاف کے اعلیٰ اصولوں کے تحت احتساب کرتا ہے، کو بعض معاہدوں اور اداروں کی کردہ تشریح کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے۔

انسانی حقوق کے مثبت قانون کی تشکیل خوش آئند ہے لیکن مثبت قانون کو تفکر اور مناسب غور وخوض سے دیکھا جانا چاہیے۔ سفارتکاروں اور قانونی ماہرین کو معصومانہ خیال سے احتراز کرنا چاہیے کہ مثبت قانون بین الاقوامی انسانی حقوق کے منصوبہ کے بارے میں تمام سنجیدہ سوالات طے کرنے اور خارجہ امور کے دیرینہ گھمبیر مشکلات کو حل کرنے کا اہل ہے۔

اِس متوازن پہنچ کی امریکہ کے تاسیسی اصولوں میں جڑیں موجود ہیں۔ یہ انسانی حقوق کے بین الاقوامی منشور کا احاطہ کرنے والے اصولوں کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے، خود کسی مثبت قانون کا بیان نہیں ہے، لیکن پابند نہ کرنے والا ذریعہ ہے جو قوموں کے لیے سیاست اور تعلیم اور اس کے ساتھ قانون کے ذریعہ قابل حُصول معیار کا تعین کرتا ہے۔ اور اس کی توسط سے امریکی محکمہ خارجہ کی جانب سے کم از کم گزشتہ نصف صدی کے دوران، ڈیموکریٹک اور ریپبلکن دونوں انتظامیہ کی حکومتی معیاد میں بین الاقوامی انسانی حقوق قانون اور اداروں میں دلچسپی کی عکاسی ہوتی ہے۔

ہشتم: انسانی حقوق مثبت قانون سے بالاتر

۱۹۴۸ء سے لیکر انسانی حقوق کے معاہدوں نے بین الاقوامی انسانی حقوق کے اصولوں کو وضع کرنے کے لیے نہایت اہم اور باضابطہ ذرائع فراہم کیے ہیں تاہم بین الاقوامی سیاست اور سفارتکاری میں یومیہ معمول کے مطابق انسانی حقوق کے اُمور پر بات چیت کسی صورت میں بھی معاہدوں کو باقاعدہ لازمی قانونی اصولوں میں تبدیل کرنے کی اپیل نہیں کرتی لیکن متعدد غیر لازمی قراردادوں، اعلانات، معیار، وعدوں اور رہنما اصولوں وغیرہ کے متعلق ہوتی ہے۔ بعض اوقات اُن کو "نرم قانون" کا گمراہ کُن نام دیا جاتا ہے لیکن موزوں بات یہ ہے کہ وہ سرے سے قانون کی حیثیت

رکھتے ہی نہیں ہیں۔ انسانی حقوق کے بین الاقوامی اصولوں کی رہنمائی کے پیش نظر ہمیں ہر صورت میں ایسے دستاویز کی قدر کا احساس کرنا چاہیے کیونکہ بین الاقوامی منشور خود غیر لازمی آلہ ہے جس کے بین الاقوامی پالیسی اور عملدرآمد پر تغیراتی اثرات نمودار ہوئے ہیں۔ درحقیقت انسانی حقوق نے جو نمایاں اضافی اور سیاسی عظیم الشان کامیابیاں حاصل کیں اور سنگ میل عبور کیئے اُن میں ہیلسنکی معاہدہ اور انٹر امریکن ڈیموکریٹک چارٹر شامل ہیں۔

معمولی جمہوری نگرانی میں کام کرنے والے کمیشنوں، کمیٹیوں، آزاد ماہرین کی انجمنوں، این جی اوز، دانشوروں اور مصنفین وغیرہ کی جانب سے غیر قانونی معیاروں کا وسیع پھیلاؤ بھی سنگین خدشات کو جنم دیتا ہے۔ اس قسم کے دعوے نام نہاد اشرافیہ کو شمولیت کا استحقاق فراہم کرتے ہیں، روایتی جمہوری حمایت کے فقدان کا شکار ہوتے ہیں اور قومی مملکتوں کے درمیان معاہدہ کے مطابق طے شدہ شرائط میں لین دین کے عمل سے فائدہ اٹھانے میں ناکامی کی وجہ بنتے ہیں۔ امریکی حکمہ خارجہ نے تاریخی اعتبار سے مضبوط موقف اختیار کیا ہے کہ قانونی طور پر قابل پاسداری روایتیں صرف باضابطہ تسلیم شدہ بین الاقوامی قانونی طریقہ کار کے ذریعہ تشکیل دی جاسکتی ہیں، جن میں مملکت کی نمائندگی اور رضامندی شامل ہو اور یہ کہ نام نہاد "نرم قانون" واجب العمل بین الاقوامی اصولوں پر لہٰذا منتج نہیں ہے اور نہ ہی ہو سکتا ہے۔ یہ موقف دانشمندانہ اور مکمل طور پر امریکہ کی آئینی روایت سے ہم آہنگ ہے، جس میں ۱۹۴۸ء کے بین الاقوامی انسانی حقوق منشور کے قوم کی جانب سے توثیق کردہ اُصول بھی شامل ہیں۔

چہارم: امریکی خارجہ پالسی میں انسانی حقوق

الف- خارجہ پالیسی اور آزادی

یورپ کی طاقتوں سے طویل مسافت پر واقع بحر اوقیانوس کے مغربی ساحلوں پر معرضِ وُجود میں آنے والا امریکہ اپنی عمر کے پہلی صدی کے دوران دنیا کی سیاست میں معمولی کردار کا حامل تھا تاہم دوسری بین الاقوامی جنگ میں اتحادیوں کی فتح کے ساتھ ہی امریکہ بطور سپر پاور ابھرا۔ جنگ کے بعد کے عرصہ میں امریکہ نے ایک نیا بین الاقوامی نظام قائم کرکے دنیا کے سامنے مثال قائم کردی۔ وہ بین الاقوامی نظام، جس کے تحت آج ہم زندگی بسر کرتے ہیں، وہ امریکہ کے اعلان آزادی میں پیوستہ اور انسانی حقوق کے بین الاقوامی منشور میں وضع کردہ اصولوں کے مطابق تھا کہ قومی بنیادوں پر تشکیل کردہ مملکتیں تمام انسانوں کے ناقابل تنسیخ حقوق کا احترام کرنے کی پابند ہیں۔ اگرچہ اپنے اور دیگر ملکوں میں آزدی کے بارے میں تشویش شروع سے ہی امریکہ کی سوچ میں شامل نمایاں خصوصیت تھی لیکن دوسری بین الاقوامی جنگ کے بعد انسانی حقوق کے فروغ کی ذمہ داری نے امریکہ کی خارجہ پالیسی، اور امریکی قیادت کی سوچ میں، بین الاقوامی اُمور کی انجام دہی کے دوران نمایاں حیثیت حاصل کی۔

اُن سالوں کے دوران اندرون ملک اور سمندر پار آزادی کی تاریخ کا نیا باب رقم ہوا۔ دو عالمی جنگوں، جن کی وسیع تباہ کاریاں یکساں تھیں، نے اس امر کی آگہی میں شدت پیدا کردی تھی کہ جس طریقہ سے چیزیں واقع ہوئیں یہ طریقہ ہمیشہ نہیں چل سکتا۔ ایسی دنیا، جہاں پر ساڑھے سات سو ملین لوگ نوآبادیاتی تسلط کے زیر حکم زندگی گزارنے پر مجبور اور امریکہ، لاطینی امریکہ اور سوویت یونین میں محرومیوں کا شکار لاکھوں اقلیتی مرد اور عورتیں نہ صرف امن کے لیے تڑپ رہے تھے بلکہ بہتر اور آزادانہ زندگی کے آرزومند تھے۔ جیسا کہ ایک امریکی شاعر فلس ویٹلے نے امریکی جنگ

آزادی کے وسط میں کہا تھا وہ صاف عیاں نظر آتا تھا کہ: "ہر انسان کے سینہ میں، خدا نے ایک اصول پیوست کر دیا ہے، جس کو ہم آزادی کی محبت کہتے ہیں؛ یہ جبر و ستم سے بیزار اور نجات کے لیے بیتاب ہے۔"

خارجہ پالیسی کی راہ کی اساس، جو آزادی اور وقار کی بلندی کی تاکید کرتی ہے، ووڈرو ولسن نے پہلی بین الاقوامی جنگ کے اختتام پر مقاصدِ جنگ اور امن کے اصولوں کے بارے میں "چودہ نکاتی بیان"، فرینکلن ڈیلانو روزویلٹ نے دوسری بین الاقوامی جنگ میں بیانیہ تحریر اور بحر الکاہل چارٹر نے رکھی دی تھی۔ بعد میں آنے والے صُدور نے بین الاقوامی اُمور میں اختیار کے استعمال کی صحتمندانہ روایت کو برقرار رکھتے ہوئے امریکہ کی خارجہ پالیسی کے مفصل بیان میں آزادی کے اصولوں کا مسلسل تذکرہ کیا۔ اس حوالہ سے یادگار ترین مثالوں میں ٹرومین میثاق، جان ایف کینیڈی کی مغربی برلن میں ۱۹۶۳ء میں تقریر، جمی کارٹر کا یوڈی ایچ آر کے تیسویں یومِ تاسیس پر ۱۹۷۸ء میں خطاب، رونالڈ ریگن کا ۱۹۸۲ء میں ویسٹ منسٹر اور ۱۹۸۷ء میں دیوارِ برلن پر خطبات شامل ہیں۔

یقیناً امریکہ نے اندرون اور بیرون مُلک آزادی اور مساوات کے اصولوں سے سنگین انحرافی کی تاریخ کا بوجھ اٹھائے بین الاقوامی دنیا میں انسانی حُقوق کے دفاع کے لیے قدم رکھا تھا۔ جب سے قوموں نے باہمی رابطہ کاری شروع کیا ہے تو بین الاقوامی تعلقات کو مفادات کے حساب کتاب، طاقت اور ضرورت کی بنیاد پر تعلقات کے قیام، المناک سمجھوتوں، غیر محتاط مہم جوئیوں اور فیصلہ سازی کی بدترین غلطیوں سے تعبیر کیا گیا۔ اور امریکہ بھی اُن سے مبرّا نہیں ہے۔ اُنیسویں صدی میں امریکہ نے "مینی فیسٹ ڈیسٹنی" کے پرچم تلے سفاکی سے کارروائی کرتے ہوئے مقامی امریکیوں کو اُنکی آبائی زمینوں سے بے دخل کر دیا، جس میں بے شمار انسانی جانیں ضائع ہوئیں اور ان کو ناقابل تکمیل معاہدوں میں شمولیت پر مجبور کر دیا۔ امریکہ نے بعض اوقات آمروں کا ساتھ دیا اور جمہوری مرضی کے اظہار کو خطرات سے دوچار کیا اور امریکہ نے ایسی فوجی کارروائیاں کیں جن کے بارے میں بہت سے حلقوں کی رائے ہے کہ، وہ منفی مفروضوں پر مبنی تھیں اور آزادی کے نصب العین کے لیے نقصان دہ ثابت ہوئیں۔

تاہم دنیا کی قدیم ترین جمہوریت بیسویں صدی میں دنیا میں آزادی کی اولین چیمپئن بن گئی، جس نے وحشیانہ آمریتوں کے تسلط تلے زندگی بسر کرنے والے بیشمار مردوں اور عورتوں کو امید اور حوصلہ بخشا۔ امریکہ نے تمام انسانوں کے ناقابل تنسیخ حقوق کے دو بڑے دشمنوں یعنی قوم پرست اشتراکیت اور سوویت اشتراکیت کو شکست دینے میں اہم کردار ادا کیا۔

دوسری عالمی جنگ کے بعد امریکہ نے ایک ایسا بین الاقوامی نظام تعمیر کرنے میں پہل کی، جس سے امریکہ کی آئینی حکومت کے مرکزی نکتہ میں شامل آزادی کے لیے عزم کی نمائندگی ہوتی ہے۔ دوسری جانب یورپ کے تباہ حال بنیادی ڈھانچہ کی بحالی کے لیے ۱۹۴۸ء میں کانگریس نے مارشل پلان کی منظوری دی جو معاشی امداد کا بہت بڑا منصوبہ تھا اور اُس کا مقصد "بیرون ملک آزاد اداروں کی بقا کے لیے سازگار حالات" بحال کرنا تھا۔ ۱۹۴۷ء میں امریکی وزیر خارجہ جارج مارشل نے ہارورڈ یونیورسٹی میں خطاب کرتے ہوئے مذکورہ منصوبہ کی ضرورت کی وضاحت کرتے ہوئے کہا تھا کہ

منطق کا تقاضا تھا کہ امریکہ کو دنیا میں معاشی سرگرمیوں کی معمول پر بحالی میں ہر ممکن مدد کرنی چاہیے ورنہ سیاسی استحکام اور قیام امن یقینی نہیں بن سکتا۔ آج تک، امریکہ اقتصادی ترقی میں مضبوط کردار برقرار رکھتے ہوئے اور سرکاری اور نجی امداد کی فراہمی کے ذریعہ دنیا سے غربت، افلاس اور وبا کے خاتمہ میں انسانی ہمدردی کی بنیاد پر امداد دینے والا سب سے بڑا شراکت دار ہے۔

۱۹۷۰ء کی دہائی میں صدر جمی کارٹر کی دلجمعی کی بدولت کانگریس نے امریکی خارجہ پالیسی کی ترجیحات میں انسانی حقوق کو شامل کیا۔ یو ڈی ایچ آر کے تیسویں یومِ تاسیس کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے جمی کارٹر نے کہا:

" انسانی حقوق امریکہ کی خارجہ پالیسی میں ضمنی یا غیر اہم حیثیت کے حامل نہیں ہیں۔ انسانی حقوق سے متعلق ہماری پالیسی محض دکھاوا نہیں ہے۔ یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو ہم نے بیرونِ مُلک اپنا تاثر چمکانے کی خاطر اختیار کیا ہو یا ماضی کی شرمناک پالیسیوں پر اخلاقی رنگ وروغن کی ملمع کاری کی ہو۔ انسانی حقوق ہماری خارجہ پالیسی کی رُوح ہیں کیونکہ انسانی حقوق ہمارے ملی احساس کی روح ہیں۔"

۱۹۷۴ء میں سوویت بلاک ملکوں سے تجارت کو شہریوں کے حقِ ہجرت سے مشروط کرنے والی جیکسن۔ وینک ترمیم کا نہ صرف سوویت یونین سے برسرِ پیکار باغیوں نے بطور بڑی پیش قدمی خیر مقدم کیا بلکہ اُس دور کے ترقی پذیر انسانی حقوق کے اداروں نے بھی سراہا۔ ترمیم نے بعد کے ادوار میں انسانی حقوق کے فروغ کی خاطر تجارتی پابندیوں کے استعمال کے رواج کی راہ ہموار کی۔

انسانی حقوق کی بالادستی پر ترجیحی زور ریگن انتظامیہ کے دور میں بھی جاری رہا۔ نیٹن شرنسکی نے جذباتی ہو کر بیان کیا تھا کہ کیسے رونلڈ ریگن کی ۱۹۸۳ء میں "شیطانی شہنشائیت" کے عنوان والی تقریر کا روسی زبان میں ترجمہ سوویت جیلوں میں چھ فٹ کی کوٹھڑیوں میں پابندِ سلاسل قیدیوں تک اندھیرے میں امید کی کرن بن کر آیا تھا۔ اُس نے کہا کہ مغرب کی جانب سے صاف واضح اخلاقی موقف اختیار کرنے کا مطلب یہ تھا کہ سوویت یونین کی فطرت کے بارے میں کوئی وہم اور گمان نہیں رہا۔ خفیہ ذرائع سے آپس میں رابطہ کرتے ہوئے باغی "مورس کوڈ" کے ذریعہ دوسری کوٹھڑی پر دستک دیتے اور بیت الخلاء میں سے ایک دوسرے کو کہتے کہ " آج تو بڑا دن آ گیا۔"

عصرِ حاضر کی دنیا میں بھی لاکھوں کروڑوں مظلوم خواتین اور مرد حوصلہ افزائی اور امید کے لیے امریکہ کی جانب آس لگائے بیٹھے ہیں۔ یہ صورتحال تقاضا کرتی ہے کہ انسانی حقوق کے نظریہ کے وُجود کے لیے موجودہ گھمبیر ترین حالات میں امریکہ نئے جذبہ اور طاقت کے ساتھ جستجو کرے، کامیابیوں پر فخر کرتے ہوئے، اپنی خامیوں اور کوتاہیوں سے انکسار کے ساتھ آگہی حاصل کرتے ہوئے، بین الاقوامی سیاست کی پیچیدگیوں کو سمجھتے ہوئے اور اس امر کی کثیر معلومات کے ساتھ کہ آزادی کا مستقبل ناقابل تنسیخ حقوق سے وابستہ ہے اور امریکہ کی اپنی آئینی روایت کے عزم میں سمایا ہوا ہے۔

ب۔ آئینی ڈھانچہ، قانونی تناظر اور معاہدہ کی ذمہ داریاں

امریکی حکومت کی تشکیل، امریکہ کے توثیق کردہ اور غیر توثیق شدہ میثاقوں کی بناوٹ اور قوانین کی تشکیل انسانی حقوق کے بارے میں امریکہ کی خارجہ پالیسی کی صورت گری کرتے ہیں۔

امریکی آئین کا آرٹیکل دوئم صدر کو یہ اختیارات دیتا ہے کہ وہ خارجہ پالیسی چلانے کے لیے اپنے اختیار کے ذریعہ معاہدوں کو سینیٹ کی توثیق سے مشروط کردے۔ سفیروں کی تعیناتی اور وصولی اور ملکی مسلح افواج کی سربراہی کرے۔ وزیر خارجہ صدر کا خارجہ پالیسی کے بارے میں اعلیٰ ترین سفارتکار اور مشیر کے طور پر فرائض سرانجام دیتا ہے۔م

حکمہ خارجہ کے اندر بیورو برائے اُمور جمہوریت، انسانی حقوق اور لیبر (ڈی آر ایل) پر انسانی حقوق پالیسی وضع کرنے اور اس پر عملد آمد کی ذمہ داری حاصل ہے۔ یہ بیورو دنیا بھر میں انسانی حقوق کی حمایت کے مقصد سے متعدد اقدامات اور پروگراموں کی ذمہ داری اٹھاتا ہے اور اس ضمن میں مفصل رپورٹیں تیار کرتا ہے کہ قومیں انسانی حقوق کا تحفظ کس انداز میں کر رہی ہیں۔ اس کے علاوہ محکمہ خارجہ کے بین الاقوامی مذہبی آزادی اور انسانوں کی غیر قانونی تجارت کی انسداد سے متعلق دفاتر انسانی حقوق پر توجہ مرکوز کرتے ہیں جیسا کہ آزاد ادارہ یعنی مذہبی آزادی سے متعلق امریکہ کا بین الاقوامی کمیشن کرتا ہے۔ بیک وقت محکمہ خارجہ میں موجود تمام بیوروز اور دفاتر کی ذمہ داری یہ یقینی بنانا ہوتی ہے کہ امریکی سفارتکاری قوم کی انسانی حقوق سے متعلق ذمہ داریوں سے ہم آہنگ ہے۔

انتظامی شاخ میں خارجہ پالیسی کی انجام دہی کی ذمہ داری محکمہ خارجہ پر تنِ تنہا عائد نہیں ہوتی۔ محکمہ دفاع دیگر ملکوں کے ساتھ ہمارے تعلقات کے ضمن میں نمایاں اثر و رسوخ استعمال کرتا ہے۔ مثال کے طور پر دنیا بھر میں افواج کی تعیناتی کے بارے میں فیصلوں اور میدان جنگ میں ساتھیوں کے محتاط انتخاب کے ذریعہ۔ مزید برآں محکمہ خزانہ، محکمہ تجارت، امریکی مندوب برائے تجارتی اُمور، محکمہ انصاف، امریکی ادارہ برائے بین الاقوامی ترقی اور وہائٹ ہاؤس کی قومی سلامتی کونسل بھی خارجہ پالیسی کی سرگرمیوں میں مصروف عمل ہیں۔

انتظامی برانچ سے بالا سطح پر کانگریس نے خارجہ پالیسی اُمور، بشمول انسانی حقوق کے تعین میں قابل ذکر کردار ادا کیا ہے۔ ۱۹۷۰ء کی دہائی کے اوائل میں "قومی رُوح کی تلاش" کے سلسلہ، جو انڈوچائنا اور دوسری جگہوں پر امریکی پالیسیوں کے بعد شروع ہوا، کانگریس نے انسانی حقوق اور امریکی خارجہ پالیسی کے مابین تعلق کا بے مثال مطالعہ شروع کیا۔

کانگریس کے رکن ڈونلڈ فریزر، جو بین الاقوامی اداروں اور تحریکوں سے متعلق ذیلی کمیٹی کے سربراہ تھے، نے اہم سماعت کی کارروائی طلب کی، جس کا اختتام مارچ ۱۹۷۴ء میں ہوا اور اس کے نتیجہ میں ایک معنیٰ خیز رپورٹ جاری کی گئی جس کا عنوان تھا "بین الاقوامی برادری میں انسانی حقوق۔ امریکی قیادت کے لئے ایک پیغام"۔ رپورٹ میں امریکی پالیسی کے اُس وقت مُروجہ طریقہ کار پر تنقید کی گئی اور انسانی حقوق کی بالادستی پر کام شروع کیا گیا۔

" انسانی حقوق پالیسی کو قومی خارجہ پالیسی میں مطلوبہ اعلیٰ ترجیح نہیں دی جاتی ہے۔ اکثر وبیشتر سیاسی، معاشی اور عسکری امور کے وسیع اُفق پر خارجہ پالیسی غیر مرئی بن جاتی ہے۔ ہم نے اپنے خود ساختہ مفادات کی خاطر انسانی حقوق کی تحقیر کی ہے۔ انسانی حقوق کو خارجہ پالیسی کی فیصلہ سازی میں نہ صرف اپنے طور پر بلکہ ہمیشہ سب سے اہم عامل ہونے چاہیے لیکن اُن کو اعلیٰ ترجیح دینے کی اشد ضرورت ہے اگر مستقبل میں بھی امریکہ دنیا کی قیادت اپنے روایتی انداز میں کرنا چاہتا ہے تو ہر جگہ انفرادی آزادی کے خواہاں مردوں اور عورتوں کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔

اس بات کی قبولیت کہ انسانی حقوق کی بیرون ملکوں میں حمایت ذمہ دار امریکی خارجہ پالیسی کے متعدد اہداف میں سے ایک ہے، انسانی حقوق کو نمایاں اہمیت دینے کے عزم سے جوڑ کر، رپورٹ نے بین الاقوامی اُمور کی تلخ حقیقتوں اور انصاف کے تقاضوں کے مابین توازن کے قیام کی خاطر قومی بحث کے رُخ کا تعین کیا۔

بعد کے برسوں میں کانگریس نے کئی قوانین مرتب کیے، جن کا سلسلہ ۱۹۷۶ء میں غیر ملکی امداد سے متعلق قانون کے سیکشن ۵۰۲ بی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا، جس نے بین الاقوامی طور پر تسلیم کردہ انسانی حقوق کی تمام ملکوں میں زیادہ سے زیادہ تعمیل کو فروغ دینے کو امریکی خارجہ پالیسی کا ایک اہم ترین مقصد قرار دیا۔ اس کا اثر یہ مرتب ہوا کہ انسانی حقوق کو قانون کا معاملہ اور خارجہ پالیسی میں فیصلہ سازی عمل کا حصہ بنایا گیا۔ ڈیموکریٹ جمی کارٹر اور ریپبلکن رونالڈ ریگن کی طرف سے صدارتی حوصلہ افزائی اور ترغیب سے دوجماعتی قانون سازی میں تعاون کو پروان چڑھایا گیا۔

بعد کے عشروں میں مزید دوطرفہ تعاون کے ساتھ کانگریس نے ایک سو سے زائد انسانی حقوق سے متعلق قوانین کو منظور کیا اور صُدور نے ان پر دستخط کیے۔ خصوصی قانون سازی کے ذریعہ وضع کردہ قوانین جیسا کہ جیکسن وینک ترمیم، اس کے بعد میں گلوبل میگنسٹکی ایکٹ جس میں امریکی حکومت کو انسانی حقوق کے بعض مجرموں کے اثاثے منجمد کرنے کا اختیار دیا گیا اور ان کے امریکہ میں داخلے پر پابندی عائد کی گئی، ۱۹۸۶ء کا نسلی امتیاز کے انسداد سے متعلق قانون جس کے تحت جنوبی افریقہ کے خلاف پابندیاں عائد کی گئیں، بین الاقوامی مذہبی آزادی کا قانون، انسانوں کی غیر قانونی تجارت کا شکار لوگوں کے تحفظ کا قانون اور متعدد دیگر، سب نے محکمہ خارجہ اور دیگر محکموں کو اضافی ذرائع سے لیس کیا اور دنیا کے بیشتر حصوں میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی انسداد میں خاطر خواہ مؤثر ثابت ہوئے۔ ایوان عامِ نمائندگان اور سینیٹ دونوں کا انسانی حقوق کے فروغ میں

معروف کردار جاری ہے اور ہانگ کانگ انسانی حقوق اور جمہوریت سے متعلق قانون مجریہ ۲۰۱۹ء اور یوغر انسانی حقوق پالیسی قانون مجریہ ۲۰۲۰ء اُس سلسلہ کی تازہ مثالیں ہیں۔

مثبت رجحانات اور جائز کارناموں کے باوجود امریکہ کی انسانی حقوق سے متعلق پالیسیوں کو تمام تر سیاسی فریقوں کی طرف سے نکتہ چینی کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ بعض کا یہ کہنا ہے کہ انسانی حقوق کی ترجیحات جب سلامتی اُمور یا تجارتی ترجیحات سے متصادم ہوں تو اُن کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ دوسروں کا ماننا ہے کہ امریکہ سلامتی اور تجارت کو داؤ پر لگا کر انسانی حقوق کی حمایت کرتا ہے۔ بعض یہ الزام لگاتے ہیں کہ امریکہ دوستوں اور اتحادیوں کی غلط کارروائیاں درگزر کرتا ہے۔ دیگر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ امریکہ غیر جمہوری دوستوں، مخالفین اور دشمنوں کے ظلم و ستم کی نسبت ساتھی جمہوریتوں کی کوتاہیوں کے معاملہ میں سختی سے کام لیتا ہے۔ بعض امریکہ کے انسانی حقوق سے متعلق عزم کو شک کی نظر سے دیکھتے ہیں، جس کی دلیل وہ انسانی حقوق کے بین الاقوامی قانونی ڈھانچہ میں مکمل شرکت سے ہمارا انکار بتاتے ہیں اور اس میں بعض معاہدوں جیسا کہ معاشی، سماجی اور ثقافتی حقوق سے متعلق بین الاقوامی میثاق کی توثیق میں ہماری ناکامی، معاہدہ روم اور انٹرنیشنل کرمنل کورٹ میں شمولیت سے انکار اور ہمارا اقوام متحدہ کے انسانی حقوق سے متعلق کونسل سے الگ ہونا شامل ہے۔ دوسرے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ چونکہ بین الاقوامی انسانی حقوق کے اداروں پر پیشہ وارانہ افسر شاہی گروہوں کا اپنے مذموم سیاسی ایجنڈے کے ساتھ قبضہ ہے لہٰذا امریکہ کو بڑے پیمانہ پر اصلاحات کرنے پر توجہ دینی چاہیے۔ بعض امیگریشن اور امریکہ کی طرف سے اپنی جنوبی سرحدوں کے انتظام کی طرف ااشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ امریکہ دوسروں کو نصیحت کرنے اور پابندیاں عائد کرنے کی بجائے خود اپنا قبلہ دُرست کرے۔ کچھ کا خیال ہے کہ لوگوں کی امریکہ میں ایک بہتر زندگی کی تلاش اور جستجو میں مسلسل آمد سے امریکی آزادی کے تجربہ کی کامیابی کی تصدیق ہوتی ہے۔ بعض یہ چاہتے ہیں کہ امریکہ کو مزید کام کرنا چاہیے، خصوصی طور پر ترقی پذیر ممالک کو درپیش مسائل کے حل کے لیے، جیسا کہ پینے کے صاف پانی کی قلت، ملیریا اور دیگر امراض، صفائی ستھرائی کی کمی، خواتین اور لڑکیوں کے لیے غیر مساوی مواقع وغیرہ۔ کئی حلقے اس امر کے خواہاں ہیں کہ امریکہ خارجہ پالیسی میں انسانی حقوق کی اہمیت کو کم کر دے تاکہ قوم کے محدود مادی وسائل اور سفارتی سرمایہ کو بچایا جاسکے۔

اُن مختلف اور متصادم تنقیدوں سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ انسانی حقوق پالیسی کی درستگی کس قدر غیر معمولی طور پر مشکل کام ہے۔ اس کے ساتھ انسانی حقوق کے بارے میں ہمارے مباحثہ کی اہمیت سے امریکی آئینی روایت میں حقوق کو حاصل مرکزیت کی عکاسی ہوتی ہے۔ یہ مباحثے، جو اکثر شدید اور بہت زیادہ خطرناک ہوتے ہیں، ان پیچیدگیوں کی نشاندہی کراتے ہیں جن کا پالیسی سازوں کو سامنا ہے، یہاں تک کہ بہترین حالات میں بھی نامکمل معلومات کی بنیاد پر اُن کو ناقص عملدرآمدی طریقوں میں سے ایک کا انتخاب کرنا پڑتا ہے۔ یہ مشکلات خارجہ پالیسی میں انسانی حقوق کے فروغ کو بطور نمایاں مقصد ترجیح دینے کے لیے مضبوط قانونی اور اخلاقی عزم کا سبب ہونی چاہئیں۔

چند تبصرے امریکہ کی طرف سے انسانی حقوق کی بعض دستاویزات کی توثیق اور بعض بین الاقوامی اداروں میں شرکت سے متعلق ہیں۔

دوسرے بہت سے ممالک کے برعکس، جن میں قریبی اتحادی بھی شامل ہیں، امریکہ نے بین الاقوامی ذمہ داریوں کی قبولیت اور انسانی حقوق کی پاسداری پر نگرانی کے ضمن میں ہمیشہ محتاط رویہ اختیار کیا ہے۔ امریکہ نے جن انسانی حقوق معاہدوں پر دستخط کیے ہیں اُن میں سے زیادہ معروف بین الاقوامی عہد نامہ برائے شہری اور سیاسی حقوق (آئی سی سی پی آر)، نسلی امتیاز کے تمام اقسام کے خاتمہ سے متعلق کنوینشن اورانسدادِ ظلم و تشدد کنوینشن شامل ہیں۔ چند دیگر معاہدوں، جیسا کہ معاشی، سماجی اور ثقافتی حقوق سے متعلق میثاق، پر صدر نے دستخط تو کر دیئے ہیں لیکن ابھی تک سینیٹ نے اُن کی توثیق نہیں کی۔ انسانی حقوق کے حامل اضافی معاہدوں کی توثیق میں سیاسی دلچسپی، کسی بھی بڑی جماعت کی جانب سے، کم ہی رہی ہے۔ جن چند انسانی حقوق کے معاہدوں کی امریکہ نے توثیق کی ہے اُن پر بھی امریکہ نے کئی تحفظات، اعلانات اور سمجھوتے تواتر سے شامل کیے ہیں جن کو محتاط انداز میں تشکیل دیا گیا تاکہ قوم کی جانب سے قبول کردہ معاہدوں کی ذمہ داریوں اور امریکی آئین کے تقاضوں کے مابین موافقت کو یقینی بنایا جاسکے۔ امریکہ اُن معاہدوں کے اندر مزید اختیاری حق سے متعلق مندرجات کو تسلیم کرنے پر ضامند نہیں ہوا (جیسا کہ آئی سی سی پی آر کے اضافی پروٹوکول) جو اِن اداروں کو یہ انفرادی شکایات وُصول اور زیرِ غور لانے کا اختیار دیتے ہیں جن میں امریکہ پر میثاق کی خلاف ورزی کے الزامات عائد کیے گئے ہوں۔ امریکہ کسی بھی ایسے میثاق میں فریق نہیں ہے جو کسی بین الاقوامی انسانی حُقوق ٹربیونل کو اُس پر پاسداری کی قانونی ذمہ داریاں عائد کرنے کا حق دے۔

اصل میں امریکہ کی جانب سے خود کو نئی بین الاقوامی ذمہ داریوں کا پابند بنانے میں تامل بھی صوابدیدی مصلحت کے پیشِ نظر تھا لیکن اس کی گہری جڑیں اصولی معاملات میں گھری ہوئی ہیں۔ دوسری بین الاقوامی جنگ کے بعد کے سالوں میں، امریکہ کی جانب سے بین الاقوامی انسانی حقوق قانون کے اطلاق کی مزاحمت کی وجہ دراصل امریکہ میں نسلی بنیادوں پر ناانصافی کے طویل ورثہ کا نتیجہ تھی۔ اقوام متحدہ کے قیام کے شروعاتی دور میں امریکہ کے سرگرم کردار اور یو ڈی ایچ آر کے حق میں ترغیب کو مُلک کے اندر اُن لوگوں سے شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا جن کو ڈر تھا کہ بین الاقوامی انسانی حقوق کے قانون کی پاسداری سے امریکہ میں قانونی تحفظ شدہ نسلی تفریق اور غیر مساوی سیاسی شرکت کے خاتمہ کے لیے دباؤ میں اضافہ ہوگا۔

تاہم آج کے دور میں امریکہ کی جانب سے بین الاقوامی قانون کے تحت اپنی ذمہ داریوں کی احسن ادائیگی کو نظر انداز کرنا غلط ہوگا۔ امریکہ کی جانب سے بین الاقوامی انسانی حقوق قانون کے بارے میں اعتراضات کی بنیادی وجہ مُلکی آئینی روایت اور محکوم کی رضامندی اور محدود اختیارات والی حکومت کے قیام کا شرط ہے۔ بین الاقوامی معاہدوں پر خود کو پابند کر کہ اور بین الاقوامی اداروں کے اختیار کے تابع ہو کر امریکہ اپنے لوگوں کی خود مختاری اور قوم کے یہ تعین کرنے کی ذمہ داری کو خطرہ سے دوچار کر سکتا ہے کہ وہ کیا لائحہ عمل ہے جس سے اندرون ملک حقوق کا تحفظ کیا جاسکتا ہے اور ایک غیر جانبدار اور وسیع بین الاقوامی نظام یقینی بنایا جاسکتا ہے۔ بین الاقوامی انسانی حقوق کے ذرائع سے محتاط انداز میں رابطہ امریکی عوام کے منتخب نمائندوں اور محکمہ خارجہ کے تجربہ کار سفارتی اور قانونی ماہرین نے تواتر سے برقرار رکھا ہے۔

بین الاقوامی قانونی ذمہ داریوں کی لازمی پاسداری پر رضامندی کا سوال اُس سوال سے الگ ہے کہ کیا کوئی اخلاقی جواز یا سیاسی اُصول انسانی حقوق کے قانون کے دائرہ کار کے اندر ہے؟ ہر ایک اخلاقی جواز اور سیاسی ترجیح کو ٹھوس قانونی شکل میں بیان کر کے امریکہ کو انسانی حقوق کی پاسداری کے بارے میں سنجیدگی کا کسی کو ثبوت دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ دراصل امریکہ کی طرف سے معاہدوں کی محتاط طریقہ سے توثیق اور معاہدوں کی ٹھوس تشکیل قانون کی بالادستی میں امریکہ کے پختہ یقین کی اہمیت اجاگر کرتی ہے۔ امریکہ صرف اُن صولوں کو باضابطہ طور پر قبول کرنے میں یقین رکھتا ہے جن کی عملی پاسداری کرنے کا اہل ہو اور بین الاقوامی قانون کے تحت دوسری قوموں کی جانب سے ممکنہ احتساب کا جواب دینے کے قابل ہو۔ بحث یہ ہے کہ کسی بھی معاہدہ کی بنا سوچے سمجھے تصدیق کرنا، جس میں اُس کی بین الاقوامی ذمہ داریوں کا معمولی خیال تک نہ کیا جائے یا ملکی قانون اور اقدامات کو اُن کے ہم آہنگ نہ بنایا جا سکے، (جیسا کہ بعض ممالک کی مثال موجود ہے) تو اس کے نتائج بین الاقوامی انسانی حقوق کے قانون کی تقویت اور قانونی حیثیت کے لیے خطرناک ہوتے ہیں۔

اِسی طرح امریکہ کی جانب سے توثیق کردہ انسانی حقوق معاہدوں کے مندرجات کی مضبوطی سے تشکیل پر اصرار، معاہدوں کی طے شدہ زبان کی گہرائی میں پیوستہ، آزادانہ رضامندی کی صداقت کی حفاظت کرتا ہے۔ امریکہ کے تحفظات اسی طرح ملک کے اندر رائج قانون کے جمہوری جواز کے احترام کو یقینی بناتے ہیں اور بین الاقوامی اصولوں اور اداروں کو عام، آئینی طور پر اختیار کی حامل جمہوری سیاست اور مستند قانون سازی کے عمل کو نظر انداز کرنے سے روکتے ہیں۔ امریکہ کا بین الاقوامی انسانی حقوق کے اداروں کے نگران کردار سے متعلق محدود رویہ بھی غور طلب ہے۔ جہاں تک معاہدوں کی تصدیق کا معاملہ ہے، امریکہ کی خودمختاری کے تحفظ، قانون کی بالادستی اور جمہوری احتساب جیسے خدشات قومی سیاسی فیصلوں کو کسی بین الاقوامی ادارے کے تابع کرنے میں احتیاط کا مناسب عذر فراہم کرتے ہیں۔ بین الاقوامی انسانی حقوق کے ادارے انسانی حقوق سے متعلق ذمہ داریوں پر کڑی نظر رکھنے، نگرانی اور انہیں فروغ دینے میں یقینی طور مثبت کردار ادا کر سکتے ہیں۔ وہ بین الاقوامی اصولوں کی تعمیل بڑھانے کے لیے مددگار عنصر ہو سکتے ہیں۔ انہی وجوہات کی بناء پر امریکہ نے اکثر ایسے اداروں کی سفارتی اور مالیاتی طور پر حمایت کی ہے۔

اس کے ساتھ ہی یہ ادارے سنگین خامیوں سے معمور ہیں۔ یہ اکثر مفاد پرست ٹولہ کے قبضہ سے مغلوب ہوتے ہیں وہ اُن معاشروں کی بالجملہ نمائندگی ہی نہیں کر رہے ہوتے جن کے بارے میں وہ مفروضہ کی بنیاد پر قانون تیار کر رہے ہوتے ہیں اور اُن میں اِس حد تک جمہوریت کا فقدان ہے کہ پیشہ وارانہ اشرافیہ کو بہت زیادہ صوابدیدی اختیارات دے کر مستقل افسران تعینات کرنے کی سہولت دی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اُن کی کارکردگی نہایت تغیر پذیر ہے، حتیٰ کہ بہت ہی سنجیدہ ادارے اپنے بنیادی مقاصد کی تکمیل کرنے میں بھی اکثر غیر مؤثر ہیں۔

مذکورہ حالات میں بین الاقوامی انسانی حقوق کے اداروں کے ساتھ مناسب تعمیری رابطہ برقرار رکھنا ہی معقول ہے۔ انسانی حقوق کے احترام کی وجہ سے امریکہ ایسے اداروں کے ساتھ معاونت کرتا ہے اور ان کی حمایت کرتا ہے جب وہ انسانی حقوق کو آگے بڑھانے کے بڑے مقاصد پر کام کرتے

ہیں، تاہم وہ بھی اُن کو مقرر کردہ اور اختیارات تک محدود رکھتے ہوئے۔ بین الاقوامی انسانی حقوق کے اداروں کو (چند مستثنات کے ساتھ جن میں سے کسی کا بھی امریکہ پر اطلاق نہیں ہوتا) اُن کے تشکیل کردہ معاہدوں کی تشریح کرنے تک کا اختیار حاصل نہیں ہے۔ اس کے علاوہ انسانی حقوق کے اداروں کی جانب سے اعلان کردہ کسی بھی حق کی تشریح یا توسیع یا معاہدہ کی زبان کا اطلاق لازمی نہیں ہے کہ بااختیار اور صحیح ہو۔ درحقیقت ایسی کئی مثالیں موجود ہیں کہ میثاق ترتیب دینے والے ادارے معاہدوں میں ایسی مبالغہ آمیز تشریحات کرتے ہیں جو معاہدوں کی طے شدہ زبان کے مطابق نہیں ہوتیں۔ امریکہ کے لیے یہ بات اہم ہے، بالخصوص انسانی حقوق کی نیک نامی کو برقرار رکھنے کے لیے، کہ وہ پُرزور مطالبہ جاری رکھے کہ بین الاقوامی انسانی حقوق کے ادارے اپنے مادری معاہدوں کی جانب سے تعین کردہ ذمہ داری کے دائرہ کار کے اندر رہیں۔

انسانی حقوق کے قانون اور اداروں کے مناسب پہنچ سے متعلق یہ عمومی مشاہدات اور امریکی خارجہ پالیسی کی حالیہ دور میں رہنمائی کے لیے چند اُصول اِس کمیشن کے دائرہ کار کے حساب سے محدود کر دیے گئے ہیں۔ تاہم ہمارے ملک کے منتخب نمائندوں اور متعلقہ محکموں، بیوروز، تنظیموں اور دیگر مجاز دفاتر کے پاس خصوصی سفارشات پیش کرنے کی صوابدید ہے کہ آیا امریکہ کو انسانی حقوق کے اضافی معاہدوں کی تصدیق کرنی چاہیے، دوسرے بین الاقوامی انسانی حقوق کے اداروں کے قانونی اختیارات کو قبول کرلینا چاہیے یا نہیں۔

ج۔ نئی مشکلات

جب تک قومیں خارجہ پالیسی مرتب، اتحاد منظم اور مخالفین کا سامنا کر رہی ہوں تو وہ دراصل سلامتی اور تجارتی ضروریات کو اُن دعووں کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی جستجو کرتی ہیں کہ کیا صحیح ہے اور کیا صاف شفاف؟ بہت کم قوموں نے اس قدر قوت اور وسائل بیرون ملک انسانی حقوق کے فروغ کی پالیسیوں پر غور و فکر اور ان پر عملدرآمد کرنے پر لگائے ہیں جتنے امریکہ نے۔

آج اُن کوششوں کو بعض مشکلات درپیش ہیں۔

انسانی حقوق کے اقدار کا زوال: دوسری بین الاقوامی جنگ کی ہولناکیوں کے پیش نظر یو ڈی ایچ آر نے بین الاقوامی انسانی حقوق کو ترقی دے کر انسانی وقار کا وسیع پیمانے پر اعتراف اور احترام کرنے کے عمل کو اظہار کی زبان دی ہے۔ اس منصوبہ کو جنوبی افریقہ میں نسلی امتیاز کے زوال اور مشرقی یورپ میں اشتراکیت کے ڈرامائی خاتمہ میں اپنے کردار کی وجہ سے بہت زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ تاہم حالیہ برسوں میں انسانی حقوق کو فروغ دینے کے جوش و جذبہ میں کمی واقع ہوئی ہے۔ یہاں تک انسانی حقوق کے لیے سرگرم برادری کے مایہ ناز اراکین نے بھی ۲۰۱۸ء میں یو ڈی ایچ آر کی ۷۰ ویں سالگرہ کے موقع پر مایوسی کا اظہار کیا ہے۔

جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے کہ گوناگوں عوامل اثر پزیر ہیں۔ ہم بنیادی حقوق کے فروغ میں دلچسپی میں کمی کو بیان کردہ مشکلات میں سر فہرست رکھتے ہیں کیونکہ انسانی آزادی اور وقار کو ترقی دینے کا جوش و جذبہ کم بھی ہو جائے لیکن اُن حقوق کی پامالی سے پیدا ہونے والے انسانی دُکھ اور تکلیف میں تخفیف نہیں ہوتی۔

بین الاقوامی اداروں کی ناکامیاں : ۲۰۱۸ء میں انسانی حقوق سے متعلق اقوام متحدہ کی کونسل کی اصلاح کرنے کی بھرپور کوششوں میں خاطر خواہ کامیابی نہ حاصل ہونے کے بعد امریکہ نے مایوس ہو کر اس سے علیحدگی اختیار کرلی۔ اقوام متحدہ کی اِس کونسل میں اُس کی پیشرُو یعنی اقوام متحدہ کے کمیشن برائے انسانی حقوق کی طرح متعدد خامیاں موجود تھیں۔

کونسل پر دنیا بھر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی سدِباب کی ذمہ داری تھی مگر کونسل نے اسرائیل پر انتہائی غیر مناسب طریقہ سے توجہ مرکوز کی اور دنیا کے بہت سے دوسرے حصوں میں ہونے والی انسانی حقوق کی زیادتیوں کو بے حد نظر انداز کیا۔ یہ نتائج کونسل کے اندرونی عملی خامیوں کا حصہ، جبکہ زیادہ وسیع پس منظر میں دیکھیں تو خود اقوام متحدہ کی اندرونی خامیوں کے عکاس تھے۔ کونسل سے امریکہ کی علیحدگی انسانی حقوق سے انحراف نہیں ہے بلکہ ان حقوق کا موثر انداز میں تحفظ کرنے کی خاطر زیادہ بہتر متبادل ذرائع تلاش کرنے کے عزم کا اظہار ہے۔

انسانی حقوق کے کمیشن میں خامیاں اُس کی تشکیل میں خامیوں کا حتمی نتیجہ ہیں اور اُن خامیوں کی وجہ سے اقوام متحدہ میں ایک بڑے مسئلہ کی عکاسی ہوتی ہے۔ دنیا کے تمام علاقوں سے اراکین کو شامل کرنے کے اختیار کے پیش نظر خود انسانی حقوق کو پامال کرنے والی ریاستیں جیسا کہ چین، کیوبا، لیبیا، روس، سعودی عرب اور وینزویلا نہ صرف کونسل میں شامل ہیں بلکہ اُس پر راج کرتی ہیں۔ انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں پر کڑی نظر رکھنے کے مجاز ادارے کی ڈور ایسی جابر حکومتوں کے پاس ہو جو اکثر سنگین زیادتیوں کا ارتکاب کرتی ہیں تو وہ ادارہ کامیاب نہیں ہو سکتا بلکہ وہ انسانی حقوق کے مقصد کی ساکھ خراب کرنے پر گامزن ہے۔

انسانی حقوق کے ہمدردوں اور دوستوں کو درپیش اُلجھنوں میں سے ایک اُن فیصلوں سے متعلق ہے کہ اصلاح کا عمل کب تک برقرار رکھا جائے گا یا کم از کم ناکام اداروں کی جانب سے نقصان کو کم کیا جائے جو اُن خامیوں کے حامل اداروں کی طرف سے پہنچا اور یہ کہ متبادل اقدامات پر کب عمل کیا جائے۔

استبدادی حکومت کا چیلنج: اقوام متحدہ انسانی حقوق کی سنگین پامالی کرنے والوں کا مسکن ہے اور جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ دنیا کی آبادی کا ایک بڑا حصہ انسانی حقوق کے معمولی تحفظ کے حامل علاقوں میں زندگی بسر کرتا ہے۔ اُن ممالک میں روس اور چین سب سے زیادہ بااثر ہیں۔

سوویت یونین کے زوال کے بعد بعض حلقوں کو یہ امید تھی کہ روس آزاد اور جمہوری اور انسانی حقوق کا احترام کرنے والا مُلک بن جائے گا۔ تاہم انہیں سخت مایوسی نصیب ہوئی۔ جابر حکومت کے ناقدین ظلم و ستم اور موت کا نشانہ بنتے ہیں، آزادیِ صحافت پر سخت پابندیاں عائد کر دی جاتی ہیں اور حقوق کی محافظ آزاد عدلیہ کا وجود نہیں۔ اسی طرح یہ توقع کہ اگر کل چین کا بین الاقوامی نظام میں ایک ذمہ دار سٹیک ہولڈر کی حیثیت سے خیر مقدم کیا جائے تو وہ انسانی حقوق اور جمہوریت کا احترام شروع گا، تو یہ بھی محض خام خیالی ثابت ہو گی۔ چین کی کمیونسٹ پارٹی نے ملک میں آمرانہ حکمرانی قائم کر رکھی ہے اور شہریوں پر گہری اور جبری نگرانی مسلط کر رکھی ہے جس کی وجہ سے حقیقی منظم سیاسی حزب اختلاف کی تشکیل کی راہ میں رکاوٹیں حائل ہیں۔ اِس اثناء میں چین کی کمیونسٹ پارٹی نے ایسے پروگراموں پر عمل کا آغاز کیا جن کا مقصد سنکیانگ اور تبت میں مقامی ثقافت کو تباہ و برباد کرنا تھا۔ ہانگ کانگ میں آزادی پر قدغن نافذ اور تائیوان کو دھمکیاں دی جا رہی ہیں۔ چین اُن ملکوں میں سر فہرست ہے جو مذہبی آزادی کو جبری طور دبا رہے ہیں۔

چین "ترقی کا حق" یا "معاشی ترقی" کا لحاف اوڑھ کر بنیادی سیاسی اور انسانی حقوق کی شہری وسعت کو پس پُشت ڈال رہا ہے۔ زیادتیوں کے ٹھوس ثبوتوں کی موجودگی کے باوجود، بیجنگ دلیل دیتا ہے کہ ترقی کے بہترین عمل کے لیے ضروری ہے کہ انفرادی حقوق اور سیاسی آزادی پر پابندیاں لگائی جائیں، لیکن یہ یوڈی ایچ آر کی شق نمبر ۲۹ میں درج حُدود سے متجاوز ہے۔ یوڈی ایچ آر کے زاویے سے دیکھیں تو ترقیاتی عمل کو کسی صورت بھی بنیادی حقوق کی خلاف ورزی کے کے لیے عذر قبول نہیں کیا جا سکتا۔

روس اور چین نہ صرف اپنی سرزمین پر جابرانہ پالیسی پر مصروف عمل ہیں بلکہ وہ بین الاقوامی طور پر بھی اپنی آمرانہ سیاسی مثال کو فروغ دینے کی بھرپور کوششیں کر رہے ہیں۔ ۱۹۷۰ء کی دہائی کے بعد، جب سوویت یونین کو ابھی تک بطور ایک بین الاقوامی ماڈل معقولیت کا کچھ دکھلاوا حاصل تھا پہلی بار لبرل جمہوریت کو بطور مطلوبہ سیاسی متبادل شدید رکاوٹوں کا سامنا ہے۔ مطلق العنان رہنما، خاص طور پر ترقی پذیر دنیا میں، چین کی جانب قابل تقلید حکمرانی ماڈل کے لیے رجوع کر سکتے، جس میں وسیع پیمانے پر کڑی نگرانی اور مخالفین پر بے جا دباؤ کی کھلم کُھلا اجازت شامل ہے اور اُس سے انسانی حقوق کی کی توقیر کی کوئی توقع نہیں رکھی جا سکتی۔ ہمارے بعض قریب ترین روایتی اتحادی، خصوصاً یورپی ممالک، بسا اوقات تجارتی مفادات کی وجہ سے چین اور روس کو موقع دینے میں زیادہ اشتیاق کا مظاہرہ کرتے ہیں، بجائے انسانی حقوق کا پرچم بلند رکھ کر اُن کی مخالفت کرنے کے۔

جدید ٹیکنالاجی اور حقوق: دنیا بھر میں ٹیکنالوجیز کا ظہور اور ترقی اور اُن کا تیز رفتاری سے پھیلاؤ معاشی ترقی کے فروغ، صحت کی سہولتوں کی بہتری، معلومات کی آسان ترسیل، توانائی اور ٹرانسپورٹ کی جدید سہولتوں اور دیگر متعدد خدمات کی مد میں حیرت انگیز مواقع فراہم کرتے ہیں۔ نئی ٹیکنالوجیز مصنوعی ذہانت (آرٹیفیشل انٹلیجنس یا اے آئی) اور سائبر / انٹرنیٹ ٹیکنالاجیز سے لیکر نئی ابھرنے والی بایو ٹیکنالاجیز کے مختلف پہلو استعمال کرتی ہیں۔ یہ ترقی انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے بھی ہنگامہ خیز دشواریاں پیدا کرتی ہیں۔ جدید ترین ایجاد، مثال کے طور پر "مشین لرننگ" کے شعبہ

میں یہ عام فہم ہے کہ اس کا پیچیدہ سافٹ ویئر اصولوں کا مجموعہ (الگورتھمس) لامحدود معلوماتی ذخیرہ کو "پراسیس" کر کے پوشیدہ تعلقات کی کڑیاں تلاش اور اوجھل معاشرتی رویوں کی جاسوسی کرتا ہے۔

اِس ترقی کے معاشرہ کے لیے امکانی فوائد بہت زیادہ ہیں لیکن ان میں انفرادی آزادیوں اور حقوق کے لیے خطرات بھی ہیں۔ اکثر اوقات الگورتھمز مؤجدین کی توقعات کے عین مطابق دُرست نہیں ہوتے اور جانبدار یا تفریقی اصولوں کی بنیاد پر تیار کردہ الگورتھمز کو، جیسا کہ بینک کے قرضوں یا عدالتی فیصلوں میں سزا سمیت، آسانی سے غلط طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ الگورتھم کو وسیع پیمانہ پر استعمال کیا جائے تو اُن کی غلط کارستانیوں کا پتا نقصان ہونے کے بعد ہی چلتا ہے۔ انسانی حقوق کو لاحق سب سے زیادہ تشویشناک خطرات کڑی نگرانی اور سماجی برتاؤ کی پیشگوئی کی ایپلیکیشنز ہیں۔ مصنوعی ذہانت اور متعلقہ سائبر ٹیکنالوجیز کو جیسا کہ انٹرنیٹ پر چہرے کی شناخت، جو سوشل میڈیا اور دوسرے پلیٹ فارمز پر کی جاتی ہے، تو امریکہ اور دیگر جمہوری ملکوں میں پہلے سے ہی بطور نگرانی کے آلات استعمال کیا جا رہا ہے، جن کے خطرات کی نسبت فوائد کو متوازن بنانے کی کوشش میں سیاسی اور قانونی طریقہ ہائے کار وضع کیے جا رہے ہیں۔ یہ خطرات خصوصاً جابر حکومتوں میں بڑے پیمانہ پر ہیں جہاں نئی ٹیکنالوجیز پر ضابطہ کا کم یا صفر اطلاق ہے۔ جتنی ترقی چین نے "مکمل زیر نگرانی معاشرہ" یقینی بنانے کے جارحانہ ارادے سے کی ہے اُتنی کسی اور نے نہیں کی۔

چین کی کمیونسٹ پارٹی نے "گریٹ فائروال آف چائنا" کے نام سے جارحانہ انٹرنیٹ سنسرشپ کا نظام تیار کیا ہے۔ اُس کے خفیہ پروگرام "آئرن کرٹن" اور "برلن وال" کے ذریعہ کمیونسٹ پارٹی کی "گریٹ فائروال" نے شہریوں کو ڈیجیٹل انفارمیشن جیل میں قید کر دیا ہے۔

مزید برآں بیجنگ کا "سوشل کریڈٹ سسٹم" جدید مصنوعی ذہانت پر مبنی ٹیکنالاجی اور سائبر سافٹ ویئر سرشتہ پر قائم ہے جو کسی شخص کے بارے میں مختلف نوعیت کی معلومات کی شاخیں جمع اور مربوط کرتا ہے۔ اُن میں کڑی نگرانی کے آلات اور چہرے کی شناخت کے پروگرام شامل ہیں جو کسی فرد کی ہر نقل و حرکت کو مُسلسل مانیٹر کرتے ہیں۔ سمارٹ فون کریڈٹ کارڈ ایپلیکیشن حقیقی وقت میں تمام خرید و فروخت کی معلومات، دفتر اور اسکول میں کارکردگی کی نگرانی، سوشل میڈیا پر کسی کے دوستوں، ہمسایوں اور ساتھیوں کی جانب سے درجہ ریٹنگ، کسی کی عادات تعمیل اور وفاداری اور بہت کچھ کی جاسوسی کرتا ہے۔ کوئی مطلق العنان حکومت یہ آلات کسی فرد کے بارے میں نہ صرف معلومات جمع، نگرانی اور سزا دینے کے لیے استعمال کر سکتی ہے بلکہ مکمل اجتماعی نگرانی اور اُن کو اپنی مرضی کے تابع کرنے کے لیے بطور ہتھکنڈہ استعمال کر سکتی ہے، مثلاً ناپسندیدہ مذہبی اور نسلی برادریوں کے خلاف کارروائی کے لیے۔

جبکہ رویوں کی پیشگوئی کے متعلق الگورتھم خاص عرصہ تک معاشرہ کی بڑے پیمانے پر کڑی نگرانی سے اکٹھا کی گئی کافی ڈیٹا کی فراہمی سے ریاستی خفیہ ایجنسیوں کو ناپسندیدہ گروہوں کے ارکان کو ظلم وستم کا نشانہ بنانے کا اہل اور کسی بھی اجتماع عام کے وقت اور مقام کا دُرست تعین کرنے کی استعداد بڑھاتا ہے۔

"اے آئی" اور سائبر سسٹم ہی نہیں بلکہ اُبھرتی ہوئی ٹیکنالاجی میں انسانی حقوق کے لیے دیگر خطرات میں بایو ٹیکنالاجی (بشمول انسانی جینوم کی تبدیلی)، نینو ٹیکنالاجی، کوانٹم کمپیوٹنگ اور روبوٹکس، اس کے علاوہ دیگر، بھی ناقابل برداشت خطرات کا سبب بن سکتی ہیں۔

افراد کا ترکِ وطن : حالیہ برسوں میں آبادیوں کی بڑے پیمانہ پر نقل وحرکت دیکھنے میں آئی ہے اور صرف مسلح تنازعات یا سیاسی، مذہبی اور نسلی تشدد کی روایتی وجوہات کی بنا پر ہی نہیں بلکہ غُربت اور افلاس سے فرار ہو کر امریکہ اور یورپ کی خوشحال معیشتوں تک رسائی کی کوشش کے عمومی پس منظر میں نقل مکانی واقع ہوتی ہے۔ بعض معاملات میں نقل مکانی کی وجہ طویل خشک سالی اور دیگر موسمیاتی مصائب ہوتے ہیں۔ اُس کے علاوہ اطلاعات کی فراہمی کے بہتر ذرائع اور سہولتیں، بشمول سوشل میڈیا، سے ترقی یافتہ دنیا میں حیرت انگیز طور پر معیاری طرز زندگی کی تشہیر کی وجہ سے بھی وہاں سُکونت اختیار کرنے کی کوششوں کو ترغیب ملتی ہے۔ اس اثناء میں جرائم پیشہ کارروائیوں بشمول بردہ فروشی کے ذریعہ سے تارکین وطن کا استحصال کیا جاتا ہے۔ تارکین وطن کی بڑی تعداد امریکہ کی جانب سے توثیق کردہ تعداد تارکین وطن کنوینشن مجریہ ۱۹۵۱ء اور ۱۹۶۷ء کے میثاق کی رُو سے حقیقی پناہ گزین نہیں ہیں۔ تاہم لاتعداد لوگوں کی نقل مکانی کی وجہ سے "خطرات سے دوچار پناہ گزینوں" اور "روایتی تارکین وطن" کے درمیان تفریق کرنا مشکل ہو رہا ہے، جس کا نتیجہ میں نقل مکانی کے انسانی حقوق کے دائرہ کار اور اطلاق کے بارے میں سخت سوالات کی صُورت میں نکلتا ہے۔

بین الاقوامی صحت، وبا اور انسانی حقوق : حالیہ کووڈ۔۱۹ عالمی وبا نے تو اپنے ہی پیچیدہ انسانی حقوق کے معاملات کھڑے کر دیئے ہیں کیونکہ حکومتوں پر لوگوں کے بنیادی حُقوق سَلب کیے بنا اور معاشی تحفظ کو قربانی کی بھینٹ چڑھائے بغیر صحت عامہ کی حفاظت کا مسئلہ حل کرنے کا دباؤ ہے۔

عالمی وبا کی وجہ سے بعض لوگوں کی مذہبی رُسومات کی ادائیگی پر کافی پابندیاں عائد ہونے سے " دوسروں کے ساتھ اور سرِعام (بمطابق یوڈی ایچ آر کی شق ۱۸) ، اجتماع کا حق (بمطابق یوڈی ایچ آر آرٹیکل ۲۰) اور سفر کا حق (بمطابق یوڈی ایچ آر کی شق ۱۳) متاثر ہوئے ہیں۔ ٹیکنالوجی کمپنیوں کی جانب سے ڈیٹا جمع اور سخت نگرانی کے ذریعہ بیماری کے پھیلاؤ پر نظر رکھنے کی وجہ سے رازداری کے حق سے متعلق سنجیدہ سوالات پیدا ہوئے ہیں (حوالہ: یوڈی ایچ آر کی شق ۱۲)۔ جبکہ، سائنسی ترقی اور حکومتی ردِ عمل پر جائز تنقید کو مبینہ طور پر دبا دیا گیا ہے، جن اقدامات نے اظہار کی آزادی کے بارے میں پریشانیوں کو مہمیز دی ہے (بمطابق یوڈی ایچ آر ۱۹)۔ اور محنت کش خاندانوں، مزدوروں اور طالبعلموں کے

کام کرنے کے حق (بمطابق یوڈی ایچ آر کی شق ۲۳)اور حُصول تعلیم کے حق (بمطابق یوڈی ایچ آر کی شق ۲۶) کے بارے میں یہ دیکھا گیا کہ سماجی فاصلہ کی آڑ میں اُن حقوق کو محدود کر دیا گیا ہے۔ بحران کے تمام عرصہ کے دوران جیسا کہ اشرف المخلوقات انسان ذات نے متصادم مفادات کے مابین مناسب توازن قائم کرنے کی سر توڑ کوشش کی ہے، ایک ایسی طبی صورتحال کا سامنا کیا ہے جس کا غلط طریقہ سے ادراک کیا گیا اور جس کے لیے ابھی تک کوئی ویکسین تک دستیاب نہیں ہے۔ اس عرصہ کے دوران ملکی سیاست اور بین الاقوامی تعلقات کی کشمکش کی ہاتھا پائی میں کسی فرد کا معاشرتی ذمہ داریوں میں کردار(بمطابق یوڈی ایچ آر کی شق ۲۹) کافی متنازعہ رہا ہے۔

غیر ریاستی اداروں کی طرف سے انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں میں اضافہ : غیر ریاستی عناصر نے عرصہ دراز سے انسانی حقوق کے لیے مشکلات کھڑی کی ہوئی ہیں۔ قومی ریاستیں اور ان کی اختیاری حُدود میں موجود شہری دونوں اُن کی کارروائیوں کے متاثرین میں شامل ہیں۔ حالیہ برسوں میں غیر ریاستی گروہوں کی تعداد اور اقسام میں خطرناک اضافہ دیکھا گیا ہے،جو انسانی حقوق کی وسیع پیمانہ پر خلاف ورزیوں میں ملوث ہیں، بشمول دہشت گرد تنظیمیں، منظم جرائم پیشہ گروہ، بچوں کے خلاف فحش حرکات کی وڈیو بنانے والے ٹولے اور انسانوں کی غیر قانونی تجارت میں ملوث تنظیموں کے۔ یہ غیر ریاستی تنظیمیں اکثر ایسی کمزور ریاستوں میں مقیم ہوتے ہیں جن میں اپنے حدود کے اندر برپا ہونے والی زیادتیوں کی انسداد کی صلاحیت اور سیاسی عزم کا فقدان ہے۔ ایسی کمزور ریاستوں میں ملٹی نیشنل کارپوریشنز اور دوسرے تجارتی اداروں کی طاقت اور خود مختاری سے بھی انسانی حقوق کی ترقی اور تحفظ کے لیے سنگین مشکلات درپیش ہو سکتی ہیں۔

د- کثیر جہت خارجہ پالیسی میں انسانی حقوق

کمیشن کے چارٹر میں درج شدہ فرائض کے مطابق اِس رپورٹ نے انسانی حقوق کی جانب امریکہ کے عزم کے خصوصی ورثہ (حصہ دوئم) اور امریکہ کی جانب سے تسلیم کردہ بین الاقوامی اُصولوں (حصہ سوئم) کا جائزہ لیا ہے۔

امریکی حقوق کے اصولوں سے متعلق ہمارے جائزے میں ایک روایت کا انکشاف ہوتا ہے، جو اگرچہ عالمگیر اصولوں کے اندر پیوست ہے، منفرد نمایاں اور متحرک ہے۔ اس کی انفرادی خصوصیت دراصل مدبرانہ اثرات اور تاریخی تجربات کے منفرد مرکب کا امتزاج ہے، جبکہ اس کی متحرک خصوصیت کو تقویت کا باعث امریکیوں میں اس امر کے بارے میں یہ متواتر دلیل ہے کہ ہم کس قسم کا معاشرہ ہیں اور ہم کس قسم کا معاشرہ بننے کے خواہاں ہیں۔ اُس روایت کا ایک لازمی جُزو "بعض ناقابل تنسیخ حقوق" کی پاسداری کا عزم ہے، جس کا تعلق تمام انسانوں سے، ایک آئینی طرزِ حکمرانی سے ہے جو مخصوص امریکی تجربہ میں پروان چڑھی اور جس کی تشکیل کا مقصد مخالفانہ اظہارِ رائے کے لیے برداشت اور سمجھوتے کو تقویت دیتے ہوئے اور متقابل اصولوں کو توازن میں رکھ کر حقوق کا تحفظ کرنا ہے۔

اس رپورٹ میں بین الاقوامی انسانی حقوق کے اصولوں کا جائزہ جو بین الاقوامی انسانی حقوق منشور سے اخذ کیا گیا ہے اس کے برعکس اس روایت کا انکشاف کرتا ہے جس کا مقصد کسی واحد قومی روایت پر انحصار کیئے بغیر عالمگیر اصولوں کی توثیق کرنا تھا۔ یوڈی ایچ آر میں حقوق کی فہرست کو جان بوجھ کر مختصر اور عمومی رکھا گیا تا کہ مختلف ثقافتوں، روایتوں اور سیاسی سرشتوں کے اندر اُن اصولوں کو جلا بخشا جائے۔ بین الاقوامی انسانی حقوق کے منصوبہ کی متحرک صورت عرصہ دراز تک جمع ہونے والے اُن تجربات کا نتیجہ ہے، جیسے جیسے قومیں یوڈی ایچ آر میں توثیق کردہ "مشترکہ معیار" کی تکمیل کی جانب محو سفر رہی ہیں۔

اگرچہ امریکی حقوق سے متعلق روایت اور بین الاقوامی اصولوں، جن کے لیے امریکہ پُرعزم ہے، کے مابین قریب ترین ہم آہنگی موجود ہے۔ امریکہ کی جانب سے خارجہ پالیسی میں ناقابل تنسیخ حقوق سے لگاؤ کے مضمرات متنوع اور بلاواسطہ ہیں بہ نسبت داخلی پالیسی اُمور کے، جس کی وجہ متعدد عوامل ہیں جن پر خارجہ پالیسی تشکیل دیتے وقت خاطر خواہ غور کیا جانا چاہیئے۔ پالیسی سازوں کو اُن معاہدوں کی تمام ذمہ داریوں کو پورا کرنا چاہیئے جن کو قوم نے اپنے اوپر عائد کیا ہے، یہاں تک کہ وہ قومی اصولوں اور مفادات کے پیش نظر دانشمندانہ فیصلے کریں، وہ بھی محدود وسائل کی دستیابی، ارد گرد کی دنیا میں جاری حالات، خطرات اور مواقع پر غور و فکر کرتے ہوئے۔ وہ صدر ہیری ایس ٹرومن کی مشکل انتخاب کے بارے میں نظریہ کی پیروی کریں، جو اکثر محدود معلومات کی بنیاد پر ہوتا ہے، کہ انسانی حقوق کی پامالی کے کون سے اقدامات اولین توجہ کے طلبگار ہیں اور محدود سفارتی قوت اور مالی وسائل کس طرح خرچ کرنے چاہئیں۔ دستیاب ذرائع حالات کے حساب سے مختلف ہوسکتے ہیں۔

تاہم حقیقی دنیا میں سفارتی فیصلوں کی پیچیدگیاں کبھی بھی مکمل جمود یا بے پروائی کا بہانہ نہیں ہونی چاہئیں۔ امریکہ کے پاس بیرون ملک بنیادی حقوق کو فروغ دینے کے لیے بیشمار انتخابی راستے موجود ہیں جو اس کی منفرد قومی روایت، دیگر قومی ریاستوں کی خود مختاری اور سنجیدہ سفارتکاری کے لوازمات کے ساتھ عین مطابقت رکھتے ہیں۔ پالیسی سازوں کے پاس سوچ اور ممکنہ اثرات کا تخمینہ لگاتے ہوئے قابل استعمال دستیاب آلات کا ایک وسیع مجمع موجود ہوتا ہے۔ سفارتکار بیک چینل ڈپلومیسی، اظہارِ تشویش اور تبدیلیوں کے بارے میں سفارشات پیش کرنے سمیت بالواسطہ طور کام کرسکتے ہیں۔ وہ انسانی حقوق کے مقامی سرگرم کارکنوں یا اداروں کی تائید کرسکتے ہیں۔ وہ سرعام خدشات کا اظہار کرسکتے ہیں اور دیگر ممالک کی کارکردگی کی درجہ بندی محکمہ خارجہ کی انسانی حقوق سے متعلق سالانہ مُلکی رپورٹ، بین الاقوامی مذہبی آزادی رپورٹ برائے کانگریس اور ٹریفکنگ اِن پرسنس رپورٹ کی توسط سے کرسکتے ہیں۔ وہ مخصوص بین الاقوامی معاہدوں کے ذمہ دار اداروں کے ساتھ مشغول ہوسکتے ہیں۔ ضرورت پیش آئے تو وہ پابندیوں کی مختلف نوعیتوں کے اطلاق پر عمل کر سکتے ہیں اور کاروباری یا سلامتی اُمور میں تعاون کم کرسکتے ہیں۔ اور، معمولی نہیں، وہ باقاعدہ طور پر اور مضبوطی سے امریکی آئینی حکومت کے اصولوں کی تائید کرسکتے ہیں، جو تمام افراد کے ناقابل تنسیخ حقوق کے تحفظ کو سیاسی جواز کا حتمی پیمانہ قرار دیتے ہیں۔

اگرچہ مخصوص پالیسیوں کے بارے میں فیصلے اِس کمیشن کے اختیارات کے دائرہ کار سے باہر ہیں، امریکی حقوق کی روایت کے خوش نما اُصولوں کے مطالعہ اور بین الاقوامی انسانی حقوق کے اصولوں سے متعلق امریکی عزم کے بارے میں ہمارے جائزے نے ہمیں امریکی نظریات سے وفادار رہتے ہوئے ریاستہائے متحدہ امریکہ کی مہذب خارجہ پالیسی مُرتب کرنے کے ذمہ دار معززین کی خدمت میں مندرجہ ذیل تاثرات پیش کرنے کے نتیجہ پر پہنچایا ہے۔

پنجم: اختتامی مشاہدات

ا۔ بین الاقوامی خارجہ پالیسی میں ہنگامی بنیادوں پر انسانی حقوق کی بالادستی کے حُصول کی پُرجوش حمایت کرنے کی ضرورت ہے۔ آج کی دنیا میں، دوسری عالمی جنگ کے بعد وجود میں آنے والا بین الاقوامی حقوق کا پُرامید منصوبہ نئی گمبھیر دُشواریوں کا شکار ہے۔ اُس کے استحکام کی سنگ بنیادِ سیاسی اور سماجی اتفاقِ رائے، جو نہایت مشکل سے حاصل ہوا تھا، تاریخ کے کمزور ترین موڑ پڑ کھڑا ہے، حتیٰ کہ لاکھوں کروڑوں مرد اور خواتین مطلق العنان حکومتوں کے زیر تسلط مصیبت کا شکار ہیں، جہاں پر آزادی اور مساوات مستقبل بعید کے خواب ہیں، جہاں امید کُچلی جاتی ہے اور جہاں اُن کی مدد کا راستہ روک دیا جاتا ہے۔ بعض طاقتور قومیں انسانی آزادی اور وقار کے نظریہ پر ہی سوال اُٹھا رہی ہیں اور ایسے مستقبل کے نظریہ کو فروغ دے رہے ہیں جو شہری اور سیاسی آزادیوں کو یکسر رد کرتا ہے، جبکہ تیز رفتار تکنیکی ترقیاں بیسیوں عجیب خطرات پیدا کر رہی ہیں۔ عصرِ حاضر کی پیچیدہ مشکلاتوں سے نمٹنے کے لیے انسانی حقوق کے ہمدردوں کو دلیری، استقلال اور دانشمندی سے مذکورہ خطرات سے نمٹنا پڑے گا۔

ضرورت کی اِس گھڑی میں امریکہ کو، اپنے آئینی نظام اور توثیق کردہ بین الاقوامی عزم میں گہری سطح تک پیوستہ اصولوں کی وساطت سے، انسانی حقوق کے نظریہ کی کامرانی کی خاطر انتھک کوشش کرنے چاہیے، جس کی یوڈی ایچ آر کی منظوری کے موقع پر خود امریکہ اور تقریباً دنیا کی ہر قوم نے حمایت کا عہد کیا تھا۔ امریکی قوم کا اخلاص یا وفاداری اتنی بہترین ہے کہ مشکل گھڑی آنے پر وہ ہر مشکل تقاضوں کا موثر جواب دے سکتی ہے۔ امریکہ کی تاسیس میں تحلیل تمام تر عظیم روایتوں میں سے ہر ایک، بشمول انجیلِ مُقدس پر ایمان، شہری جمہوریت پسندی اور آزادی کی جدید روایت، نے قوم میں اُس کلیدی سوچ کو پروان چڑھایا کہ حکومت وہ ہے جو دُرست انداز میں رعایا کی رضامندی میں جڑی ہوئی ہو اور اُس کا اولین مقصد انسانوں کے مشترکہ حقوق کا تحفظ ہے۔ مذکورہ بنیادی روایتیں اور یقینِ کلی حوصلہ افزائی اور طاقت کا وسیلہ ہیں۔ یہ کہنے میں کوئی مبالغہ نہیں ہے کہ جس طریقہ سے دنیا بھر میں لوگ امریکہ پر تکیہ کیئے بیٹھے ہیں کہ وہ بنیادی حقوق کی حمایت کرے گا لہٰذا اگر ہمارے مُلک نے مطلوبہ ذمہ داری کی ادائیگی کے لیے جانفشانی سے اقدامات اُٹھائے تو آزادی کے مستقبل پر بہت بڑا مثبت اثر ہو گا۔

اگر امریکہ کو امید کی شمع بن کر رہنا ہے تو اس کو تمام سفارتی مواقع کو عقلمندی سے استعمال کرنا ہو گا، اتحادیوں اور غیر دوست قوموں کی طرف سے کی جانے والی زیادتیوں پر توجہ مرکوز کرنا ہو گی، اس ضمن میں حقوق کے احترام میں یقین کے حامل لیکن کبھی کبھار غلطی کوتاہی کرنے والے ملکوں اور اُن کے برعکس باقاعدہ طور پر اپنے شہریوں کے انسانی حقوق پامال کرنے والے ممالک کا موازنہ نہیں کیا جانا چاہیئے۔ لبرل جمہوریت اور مطلق العنان قوتوں کے درمیان جنگ میں، لبرل جمہوریتوں کی غیر متوازن ترقی کا مطلب یہ نہیں کہ وہ بلند و بالا مقاصد ختم ہو گئے جن سے وہ لگاؤ رکھتے ہیں۔

کمیشن نے یہ امکان بھی محسوس کیا ہے کہ بیرون ملک انسانی حقوق کو فروغ دینے کی امریکی تدابیر پر عملدرآمد دوسری قوموں کا تعاون حاصل کرنے کی صورت میں زیادہ مؤثر ثابت ہوں گی۔ کوئی بھی قوم تن تنہا انسانی حقوق میں جان ڈالنے کے لیے درکار لوازمات حاصل نہیں کر سکتی اور اکیلے سر اور از خود انسانی حقوق کی بالادستی کا کام کرنے والی قوم کی نیت پر ہمیشہ شک و شبہ کا اظہار کیا جائے گا۔

۲۔ مثال کے ذریعہ رہنمائی کرنے کی طاقت بہت عظیم ہوتی ہے۔ ایک اہم ترین طریقہ جس کی بدولت امریکہ بیرون ملک انسانی حقوق کو فروغ دے سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اپنی مثال انسانی حقوق کا احترام کرنے والے ایک ایسے معاشرہ کے طور پر پیش کرے جہاں پر تمام شہری قانون کے تحت قوم کے عظیم مذہبی، نسلی اور ثقافتی طور پر متنوع معاشرہ میں اکٹھے رہتے ہیں۔ قوم کی اپنے پسندیدہ نظریات کے حوالہ سے کوتاہیاں اپنی جگہ پر لیکن امریکیوں کا اپنی آئینی روایتوں پر فخر کرنا دُرست ہے۔

امریکہ کا آزادی، مساوات اور جمہوری خود اختیاری کے بارے میں تجربہ اس امر پر انتہائی اثر کا حامل ہے کہ دنیا بھر میں انسانی حقوق کو کس طرح سمجھا جاتا ہے، ضروری نہیں یہ قابل تقلید نمونہ ہو تاہم یہ اس امر کا ثبوت ضرور ہے کہ حقوق کا احترام کرنے والے معاشرہ کا قیام ممکن ضرور ہے۔ معاشرے کے متنوع گروہوں کے درمیان تنازعات کو حل کرنے اور حقوق اور حقوق کے دعوؤں کے مابین چپقلش سے نمٹنے کے امریکی تجربہ نے اِسی نوعیت کی جدوجہد میں مصروف عمل دوسرے لوگوں کی ہمت افزائی کی ہے۔ اس کے ساتھ یہ تسلیم کر لینا چاہیے کہ امریکی ماڈل دوسروں کے لیے قابل تقلید مثال اُس وقت ہی بنے گا جب ہم، جیسا کہ دوسروں سے توقع کرتے ہیں کہ، اپنے اصولوں اور ہماری سیاست کی کوتاہیوں کے درمیان خلاء کا اعتراف کر کہ اصلاحات کی کوشش کرتے رہیں گے۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ اصولوں کی پاسداری میں جتنا زیادہ کامیاب ہو گا تو آزادی کے لیے اُس کا پیغام اُتنا ہی زیادہ طاقتور ہو گا اور آزادی کے خواہاں لوگوں کے لیے اُس کی مثال اتنی ہی زیادہ جوش و جذبہ سے بھرپور ہو گی۔ امریکہ کی حقوق سے متعلق روایت کو برقرار رکھنا ایک متواتر چیلنج ہے جو اس امر پر قائم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے کیا واقع ہو چکا ہے اور ہر آنے والی نسل سے کتنی سخت محنت کا طلبگار ہے۔

۳۔ انسانی حقوق ہمہ گیر اور ناقابل تقسیم ہیں۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد تشکیل کردہ انسانی حقوق کے عظیم الشان منصوبہ کو خطرہ اُن طاقتور قومی ریاستوں کے عروج سے ہے جو تمام انسانوں کی آزادی اور مساوی حیثیت کی تجویز کی مخالفت کرتی ہیں اور یہ رائے بھی مسترد کرتے ہیں کہ تمام انسانی حقوق ہمہ گیر، ناقابل تقسیم اور باہمی طور پر ایک دوسرے پر منحصر اور آپس میں پیوستہ ہیں۔ چاہے تجویز پر کھلم کُھلا حملہ ہو یا عملی طور پر اُس کی تحقیر، مخالفین کے اقدامات کا حتمی نشانہ انسانی حقوق کے بین الاقوامی منشور کو عطا کردہ معاشرتی اور سیاسی اتفاق ہی ہوتا ہے۔ وہ بنیادی اصول، جن پر لگ بھگ سب قوموں نے کسی موقع پر اتفاق کیا تھا، اب ایک متصادم نظریہ سے خطرے کا شکار بن رہے ہیں، جس کے تحت یو ڈی ایچ آر میں شامل سیاسی اور شہری حقوق کو ترقی دینے کے بہانے سے یا پھر دیگر معاشرتی اور اقتصادی مقاصد کے نام پر تابع اور کمتر قرار دیا جا رہا ہے۔

۴۔ انسانی حقوق کی عالمگیریت اور ناقابل تقسیم حیثیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اُن کی بحالی میں ہم آہنگی ہے۔ امریکہ اور دوسرے جس بھی مُلک نے بین الاقوامی منشور کی تائید کی ہے تو وہ کسی بھی ثقافتی استثنیٰ کے بغیر اُن کی پاسداری کا پابند ہے۔ تاہم یوڈی ایچ آر اپنی تاکید، تشریح اور نفاذ کے طریقہ ہائے کار میں بعض تبدیلیوں پر غور کرتا ہے۔ ویانا ڈکلیئریشن واضح کرتا ہے کہ اگرچہ سیاسی، معاشی، اور ثقافتی نظام سے قطع نظر ریاستوں کا یہ فرض ہے کہ وہ تمام انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کو فروغ دیں اور ان کا تحفظ کریں لیکن قومی اور علاقائی انفرادی خصوصیات اور مختلف تاریخی، ثقافتی اور مذہبی پس منظر کو ذہن میں رکھنا نہایت لازمی ہے۔ انسانی حقوق کی عالمگیریت اور اُن کی عملی حصول کے لیے درکار اجتماعیت کی صفات بین الاقوامی قانون میں نظریہ مرکزی اقتدار کے باہمی اصول میں جُڑی ہوئی ہیں۔ بین الاقوامی میدان میں مرکزی حاکمیت کو آزادی، جمہوری احتساب اور امریکہ کی آئینی روایت میں نقش کی گئی وفاقیت کے ساتھ گہری وابستگی ہے۔ اس امر کی ضرورت ہے کہ جہاں بھی ممکن ہو کوئی بھی فیصلہ اُس سطح پر کیا جائے جو اُن فیصلوں کے نتیجہ میں متاثر ہونے والے لوگوں کے قریب ترین ہو، بنیادی برادریوں سے آغاز ہو اور بڑی، عام اور وسیع اور دوری پر واقع برادریاں صرف بنیادی لوگوں کی مدد کے لیے مداخلت کریں نہ کہ اُن کا متبادل بننے کی۔

۵۔ انسانی حقوق کا احترام کرنے میں اجتماعیت کی ہلکی جھلک معاشرہ میں ثقافتی یکسانیت کا مظہر نہیں ہے۔ جائز اجتماعیت کو تسلیم کرنے کا عمل تاہم یوڈی ایچ آر میں درج حقوق میں سے کسی ایک کو بھی نظر انداز کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ انسانی حقوق کی بالادستی میں روح پھونکنے کے لیے تنوع کا دائرہ کار "تمام انسانی حقوق کے تحفظ اور بنیادی آزادیوں کو فروغ دینے" کی بات کرتا ہے اور یوڈی ایچ آر کے ذیلی مندرجات میں اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ تمام حقوق کو دوسرے حقوق کے لیے واجب احترام کے ساتھ استعمال کیا جانا چاہیے اور یہ کہ حقوق دراصل قانون کے تحت تعین کردہ حُدود سے مشروط ہوں گے اور ان کا واحد مقصد دوسروں کے حقوق اور آزادیوں کا مطلوبہ احترام اور اعتراف حاصل کرنا اور اخلاقیات، امن عامہ اور جمہوری معاشرہ میں عمومی فلاح و بہبود کی ذمہ داریوں کی تکمیل ہو گی۔ جیسا کہ وزیر خارجہ وارن کرسٹوفر نے ۱۹۹۳ء کی ویانا کانفرنس کے افتتاحی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے اظہار کیا تھا کہ "ہم مذہبی، معاشرتی اور ثقافتی خصوصیات کا احترام کرتے ہیں، جو ہر ایک ملک کو منفرد بناتے ہیں، لیکن ہم ثقافتی عصبیت کو ظلم کی حتمی جائے پناہ نہیں بننے دیں گے۔"

۶۔ قومی ریاستوں کو اپنی انسانی حقوق کی پالیسی کو اپنی ہی نمایاں قومی روایات پر قائم کرنے کی قدرے آزادی حاصل ہے۔ مثال کے طور پر امریکہ، دنیا کی قدیم ترین جمہوریت ہونے کی حیثیت سے، انفرادی آزادی، جمہوری عمل اور اداروں کی ترقی پر خاصی توجہ مبذول کرتا ہے۔ محکمہ خارجہ کے اندر بین الاقوامی مذہبی آزادی اور ٹریفکنگ اِن پرسنس رپورٹ کے خصوصی دفاتر قائم ہیں، اُن میں سے دوسرا دفتر ملک کے غلامی کے دور والے تجربہ کی یاد کی عکاسی کرتا ہے جبکہ اول الذکر کردہ دفتر ملک کی متنوع اور وسیع آبادی کو مذہبی آزادی کی ضمانت دینے کے نمایاں کارنامہ کا پہلو اُجاگر کرتا ہے۔ تاہم دوسرے بنیادی اصولوں کو نظر انداز یا ان کی تحقیر کرنا ملک کی جانب سے توثیق کردہ بین الاقوامی ذمہ داریوں کی خلاف ورزی ہوگی۔ اگرچہ بعض اوقات جائز اجتماعیت یا "اس کو ماننے کی حدود" کی حدود کی تشریح کرنا مشکل عمل ہوتا ہے لہٰذا اس عمل کا آغاز اس فہم وادراک سے کرنا چاہیے کہ یو ڈی ایچ آر میں شامل بنیادی اصولوں کا مقصد مل جُل کر کام کرنا تھا نہ کہ ایک دوسرے کے خلاف مذمت کرنا۔ بنیادی حقوق کے مابین تنازعات اور کشیدگیاں ختم کرنے کے لیے تاہم مختلف مواقع پر اس بات پر توجہ دینی ہوگی کہ ہر ایک حق کو کیسے حتی الامکان تحفظ دیا جائے، یوڈی ایچ آر کی پہلی شق میں توثیق کردہ مقبول اُصول کے تحت کہ " تمام اشخاص آزاد پیدا ہوئے ہیں اور ان کو مساوی عزت اور حقوق حاصل ہیں۔"

۷۔ اگرچہ انسانی حقوق باہمی منحصر اور ناقابل تقسیم ہیں تاہم اُن میں کچھ مخصوص تفریقی خصوصیات تو خود بین الاقوامی منشور اور یوڈی ایچ آر کے پیروکار انسانی حقوق کے مثبت قانون میں بھی شامل ہیں۔ اگرچہ انسانی عظمت سے متعلق تمام تر حقوق کے انحصار کی توثیق کرنا لازمی ہے تاہم امریکی خارجہ پالیسی غور کر سکتی ہے اور ضرور کرے کہ کسی خاص موقع پر کون سے حُقوق قومی اصولوں اور مفادات سے زیادہ موافقت رکھتے ہیں۔ اس نوعیت کا جائزہ لیتے وقت انسانی حُقوق کے منصوبہ کی تیاری میں امریکہ کے منفرد کردار کو نظر میں رکھنا چاہیئے اور حالات حاضرہ، خطرات اور مواقع سے متعلق عقلمندی سے تخمینہ لگانا چاہیئے۔

کسی بھی قوم کی صوابدید محدود ہوتی ہے، تاہم، بین الاقوامی قانون کا، جو بعض انسانی حقوق کو کامل یا اُس کے قریب بناتا ہے، کچھ یا بالکل صفر کوتاہیوں کو قبول کرتے ہوئے، جبکہ بعض دوسرے متعدد مناسب حدود کا شکار اور دستیاب وسائل اور ضابطہ کی کارروائیوں پر انحصار کرتے ہیں۔ بعض ضوابط جیسا کہ قتلِ عام کی ممانعت، اس قدر ہمہ گیر ہیں کہ اُن کی حیثیت ناقابل تنسیخ قانون جیسی ہے یعنی وہ قانون جس کو کوئی بھی ریاست جائز طریقہ کار سے نظر انداز کر ہی نہیں سکتی۔ بعض انسانی حقوق کا استعمال قوموں کے مابین اعلیٰ درجہ کے عملدر آمدی یکسانیت کا تقاضا کرتا ہے جیسا کہ تشدد کی ممانعت کا معاملہ لیکن دوسرے حقوق حکومتی اقدامات میں قابل غور گنجائش عطا کرتے ہیں جیسا کہ یوڈی ایچ آر میں دیا گیا رازداری کی حفاظت کا حق اور معاشرتی اور معاشی حقوق کی پاسداری۔

۸۔ آزادی، جمہوریت اور انسانی حقوق مستحکم طریقہ سے باہمی منسلک ہیں: آزاد اور کھلے طور پر مباحثہ کا عمل، ترغیب اور فیصلہ سازی بنیادی حقوق میں پیوستہ لبرل جمہوریتوں کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ حقوق کے مختلف دعووں کے درمیان مصالحت کریں اور محدود وسائل ترجیحی حقوق کی پاسداری کے لیے احسن طریقہ سے خرچ کر سکیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انفرادی آزادی کا بنیادی نظریہ کہ کوئی بھی فرد محکوم پیدا ہوا ہے اور نہ ہی کسی دوسرے پر حکمرانی کرنے کے لیے اور جمہوریت کا مرکزی نظریہ کہ سیاسی طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں، افراد کو حاصل فطری حقوق کا مظہر ہے۔ انفرادی آزادی، جمہوریت اور ناقابل تنسیخ حقوق کی امریکہ کی روایت میں گہری بنیاد ہے۔ خود حکمرانی کی تائید دوسری عالمی جنگ کے دوران قوم کے بیان کردہ جنگی مقاصد اور سوویت شہنشاہیت کے بعد از زوال جمہوریت کی "تیسری لہر" میں یہ بیانیہ بھرپور اظہار کا موقع حاصل کر چکا ہے اور ہر حکومتی دور میں یکساں رہنے والے دیرینہ امریکی عزم برائے بین الاقوامی آرڈر کی وجہ سے بھی بنیادی انسانی حقوق کی عزت اور قومی خود مختاری میں جڑی ہوئی لبرل جمہوریتوں کی حمایت پر ہے۔ وُہی اصول یو ڈی ایچ آر میں بھی عیاں ہیں، جو فرد کی عظمت کے بارے میں دیرینہ شہری اور سیاسی حقوق کو نمایاں کرتے ہیں اور جمہوری عمل کی خود مختاری کے لیے ضروری ہیں، سیاسی عمل میں شرکت کے حق کو اِس عمومی پس منظر میں رکھا گیا ہے کہ "عوام کی مرضی ہی حکومت کے حُصولِ اقتدار کی اساس ہو گی" اور تجویز کرتا ہے کہ " ہمہ گیر اور مساوی رائے دہی اور آزاد طور ووٹ دینے کے عمل کے ذریعہ سے وقتاً فوقتاً جائز انتخابات منعقد کرنا لازمی ہیں۔"

یو ڈی ایچ آر اور امریکی آئین اور سیاسی روایت کی بنیاد کے اِس میلاپ میں خارجہ پالیسی کیے لیے مضمرات ہیں۔ اوّلین سطح پر یہ امریکہ کے انسانی حقوق کی تشریح کے لیے مرکزی اہمیت کے حامل نکات یعنی انفرادی آزادی، جمہوری روایتوں، اداروں کی ترقی اور فروغ کے لیے عزم کا طلبگار ہے۔ اُسی اشارہ سے یہ دوسرے ملکوں میں جمہوری اکثریتوں کے فیصلوں کی قابل ذکر عزت واحترام کی تلقین کرتا ہے اور اِس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ خود پر حکمرانی کی صورت میں وہ اپنی نمایاں ترجیحات طے کرنے کی طرف گامزن ہوں گے۔ امریکہ کی طرف سے بنیادی حقوق کے فروغ کے اقدامات ہمیشہ عمومی جمہوری سیاست اور قومی خود مختاری کے جائز استعمال کے نتائج کے حوالہ سے حساس ہونے چاہئیں لیکن اداروں اور جمہوری طرز عمل کے منافی حقوق کے دعووں کی حوصلہ شکنی بھی کرنا لازمی ہے۔

۹۔ معاشرتی اور اقتصادی حقوق جامع اور مفصل خارجہ پالیسی کے لیے کلیدی اہمیت رکھتے ہیں۔ اگرچہ معاشرتی اور اقتصادی حقوق بین الاقوامی منشور کے ڈھانچہ کا مکمل اور اہم جزو ہیں، لیکن انسانی حقوق کی ناقابل تقسیم حیثیت کا اصول، سرد جنگ کے دوران غیر واضح کیفیت کا شکار رہا، متنازعہ مفادات کی وجہ سے، سوویت یونین اور ریاستہائے متحدہ امریکہ یو ڈی ایچ آر میں موجود شہری اور سیاسی حقوق کے ساتھ برتاؤ معاشرتی اور اقتصادی مندرجات کی نسبت الگ الگ کرتے رہے۔ نتیجہ میں چار غور طلب باتیں سامنے آئیں، جن کو تسلیم کرنا انتہائی اہم ہو گا۔

(1)۔ امریکہ ناقابل تقسیم ہونے کے اصول اور "زیادہ آزادی میں بہتر معیارِ زندگی" کی خواہش کا بہت بڑا حامی تھا، جس کا اظہار اقوام متحدہ کے چارٹر اور یو ڈی ایچ آر کے دیباچہ سے بھی ہوتا ہے۔ ایلینور روز ویلٹ نے یو ڈی ایچ آر کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں پیش کرتے ہوئے اس بات کی توثیق کی تھی کہ امریکی حکومت " اِن شقوں میں طے کردہ اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق کی صدقِ دل سے تائید کرتی ہے۔

(2) حقوق کے اطلاق کے بارے میں امریکہ کا موقف یہ تھا کہ یہ معاملہ ہر ایک متعلقہ قوم کے اپنے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ اُن حقوق کو اپنے وسائل اور سیاسی تشکیل کے حساب سے نافذ العمل کرے، جو سوویت یونین کے اُس موقف پر بھاری پڑ گیا کہ متعلقہ ریاست خود اُن کی ضامن خاص ہو۔

(3) ناقابل تقسیم ہونے کا اصول اس امر کا طلبگار ہے کہ امریکہ کی خارجہ پالیسی کی تشکیل میں اقتصادی اور معاشرتی حقوق کو سنجیدگی سے لینا چاہیئے۔

(4) چونکہ شہری اور سیاسی حقوق کے موثر استعمال کے لیے ایک خاص کم از کم معیارِ زندگی لازمی ہے، امریکہ کا یو ڈی ایچ آر معاہدہ کے تحت عزم قوم کی آئینی روایت کا موجب ہے۔ یہ گزرتے وقت اور شماریاتی گواہیوں سے ثابت ہوتا ہے کہ امریکہ کا موقف بڑی حد تک معقول تھا کہ" زیادہ آزادی میں بہتر معیارِ زندگی "کا حق ریاست کے زیرِ انتظام معیشت کی نسبت سرکاری اور نجی شراکت کی مدد سے حاصل کرنے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔ جہاں تک خارجہ پالیسی کا تعلق ہے تو امریکہ نے، انفرادی آزادی اور انسانی برابری کے اصولوں سے موافقت کے ساتھ، یو ڈی ایچ آر کے اقتصادی اور معاشرتی فلاحی اصولوں کو دنیا کی غریب ترین، کمزور ترین اور مظلوم برادریوں کے لیے معاشی امداد کے فراخدلانہ منصوبوں کے ذریعہ فروغ دینے کی کوشش کی ہے۔

۱۰۔ **حقوق کے نئے دعووں پر غور احتیاط سے کرنا چاہیئے:** وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تسلیم شدہ بین الاقوامی عالمی حقوق میں خاص وسعت اور نفاست کی توقع کرنا تو مناسب بات ہے تاہم آزادی اور انسانی توقیر کے لوازمات مستقل رہتے ہیں۔ لوگوں سے غلط طریقہ سے چھینے گئے حقوق کی واپسی اور اُن کے اطلاق کا خیر مقدم کرنا چاہیئے۔ تاہم یہ بات ذہن نشین کرنی چاہیئے کہ یو ڈی ایچ آر اپنی معقول رسائی کی وجہ سے بین الاقوامی سطح پر انسانی حقوق کے منصوبہ کا اطلاق کرنے میں کامیاب ہوا۔ یو ڈی ایچ آر کو دانستہ طور پر حقوق کے مختصر مجموعہ تک محدود کر دیا گیا اور تصور کیا گیا کہ اُس پر بین الاقوامی اتفاق رائے قائم ہو گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بین الاقوامی انسانی حقوق کے نظریہ کی طاقت اُس وقت مضبوط ترین ہو گی جب اُس کو جائز بحث سے ماوراور وسیع طور پر مقبول ترین اُصولوں میں گوندھ دیا جائے لیکن اس کے برعکس اگر اس کو معاشرہ میں سیاسی ترجیحات کے بارے میں مدمقابل گروہوں کے مابین تنازعات میں استعمال کیا جائے تو وہ کمزور ترین سطح پر پہنچ جائے گا۔ مذکورہ سیاسی تنازعات کو عام طور پر افہام و تفہیم، تعلیم، ترغیبی سمجھوتے اور حق رائے دہی کے رائج جمہوری طریقوں کے ذریعہ حل کیا جاتا ہے۔ انسانی حقوق کی لغت کے ساتھ سیاسی جنگیں لڑنے کا رجحان اُس شاندار قومی بحث کی حوصلہ شکنی کرتا ہے جس پر کوئی متحرک اور جاندار جمہوریت انحصار کرتی ہے۔ قابلِ تکرار پالیسی ترجیحات کو مستحکم اور ناقابل اعتراض انسانی حقوق نکات قرار دے کر اُن پر جائز بحث کو بند کرنے کے اقدامات سے عدم برداشت کو فروغ، مفاہمت کی راہ میں رکاوٹ حائل، بنیادی حقوق کی قدر کم اور حقوق کے نام پر حقوق تلف ہوتی ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ امریکہ انسانی حقوق کے نئے دعووں کی توثیق کرتے وقت کشادہ سوچ کا مظاہرہ کرے تاہم محتاط بھی رہے۔

۱۱۔خود مختاری انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے نہایت ضروری ہے: امریکہ کے اعلانِ آزادی کی طرح انسانی حقوق کا بین الاقوامی منشور بھی قومی ریاستوں کو اُن کے قوانین اور سیاسی فیصلوں کی توسط سے انسانی حقوق کا ضامن قرار دیتا ہے لہٰذا انسانی حقوق کے دفاع کے لیے چھوٹی یا بڑی دونوں نوعیت کی قوموں کی خود مختاری کا دفاع ضروری ہے۔ بین الاقوامی قانون کی دیگر ذمہ داریوں کی طرح امریکہ کی انسانی حقوق سے متعلق ذمہ داریوں کو بھی اُن روایتوں میں پیوستہ کرنا چاہیئے جن پر امریکہ نے باقاعدہ اور واضح رضامندی کا اظہار کیا ہے۔ امریکہ کی آئینی طور پر جائز رضامندی کے بغیر بین الاقوامی تنظیموں کو عالمی معاہدوں کی ذمہ داریوں کے تعین کے اختیارات تھما دینا امریکہ کی خود مختار حیثیت کو پاش پاش کر دے گا اور جمہوری احتساب کے عمل کو پھیکا کر کے رکھ دے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ امریکہ کے پالیسی سازوں کو ان ذرائع سے ایسے نئے حقوق تخلیق کرنے کی کوششوں کی مزاحمت کرنی چاہیئے، جو جمہوری اداروں اور طریقوں سے ماوراہیں یا امریکہ کی جانب سے بین الاقوامی معاہدوں میں شمولیت کے مقاصد سے غیر ہم آہنگ ہیں۔ اس کے علاوہ امریکہ کو دیگر قومی مملکتوں کی آزادی اور خود مختاری کا احترام کرنا چاہیئے کہ وہ یوڈی ایچ آر کی حُدود میں طے شدہ بین الاقوامی انسانی حقوق کی توثیق کی خاطر اخلاقی اور سیاسی فیصلے کر سکیں۔ تاہم اِس کے ساتھ یہ مد نظر رکھنا ضروری ہے کہ آزادی پسند قومیں اپنے وسیع تر سفارتی وسائل اُن قوموں کے اقدامات کی روک تھام کے لیے استعمال کرتی ہیں جو اپنی خود مختاری کی توسط سے اپنے ہی شہریوں کے حقوق کی بربادی کی مرتکب ہوں۔

۱۲۔انسانی حقوق کی کیاریوں پر ضرور کاشتکاری کرنی چاہیئے: عرصہ دراز سے انسانی حقوق کے نظریہ نے شاندار طاقت کا مظاہرہ کیا ہے اور یہاں تک کہ "انسانی حقوق" کی اصطلاح حُصولِ انصاف کی تڑپ اور ظلم سے نجات کے خواہاں لاکھوں مرد اور خواتین، خواہ اُن کا تعلق کسی بھی ثقافت اور قوم سے ہو، کی زبان پر رواں دواں ہے۔ لیکن انسانی حقوق کے ہمدردوں کو دو اہم باتیں یاد رکھنی چاہیئیں کہ: انسانی حقوق کے لیے احترام کے لیے سازگار حالات قائم کرنا چاہیے اور یہ کہ انسانی حقوق کا فروغ ہی کثیر الجہتی انسانی ترقی کے حامل معاشروں کی تعمیر کا ضامن ہے۔ حُقوق ہی ناانصافیوں کے خاتمہ اور جینے کے سازگار حالات یقینی بنانے کے مددگار ہتھیار ہیں لیکن وہ کسی جادوئی طریقہ سے انسان دوست اور انصاف پسند معاشرے کی بقاء کے لیے درکار شخصی آزادی، جمہوریت، انسانی توقیر اور قانون کی بالادستی یا پھر احساس ذمہ داری، یکجہتی اور رواداری کی خصوصیات کے لیے احترام پیدا نہیں کر سکتے۔

۱۹۴۸ء سے لیکر ڈی ایچ آر کے انسانی حقوق کے متعلق وسیع اصولوں کو معاہدوں کے سلسلہ کے ذریعہ لازمی قانونی معاہدوں میں منتقل کرنے کی اجتماعی کوششوں نے قابل تحسین نتائج حاصل کیے ہیں۔ لیکن ایسی کوششوں کی دیرپا کامیابی اُن میں سمائے ہوئے سیاسی اور اخلاقی وعدوں پر منحصر ہے۔ یہ افسوسناک ستم ظریفی ہو گی اگر انسانی حقوق کے نظریہ، جو اس روایت کا مظہر ہے کہ قوموں کے مثبت قوانین کو انصاف کے اعلیٰ اصولوں کے تحت قابل احتساب ہونا چاہیئے، کو بعض موجودہ معاہدوں اور اداروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے۔ درحقیقت کسی قوم کی خارجہ پالیسی میں انسانی حقوق اُس کی قانونی ذمہ داریوں سے زیادہ اخلاقی مقاصد اور سیاسی عزم سے مضبوط ہوتے ہیں۔ انسانی حقوق سے متعلق اعلانات، آئین اور معاہدوں کی حیثیت بقول میڈیسن کے "کاغذی رکاوٹوں" کی طرح ہے اور مستقل کوشش اور عزم کے بغیر اُن حقوق کے حصول کا منصوبہ عملی جامہ نہیں پہن سکتا اور خاص

طور تعلیم کی فراہمی جو آزادی اور انسانی عظمت کے بارے میں لازمی نظریات تخلیق اور ترسیل کرتی ہے۔ جیسا کہ ایلینور روزویلٹ نے یوڈی ایچ آر کے دسویں یوم تاسیس کے موقع پر بیان کیا تھا کہ:

"آخر کہاں انسانی حقوق کی ابتداء ہوتی ہے۔ گھر کے قریب چھوٹی جگہوں پر، اتنی قریب اور اتنی چھوٹی کہ وہ دنیا کے نقشوں میں نظر تک نہیں آتیں۔ تاہم اپنی حیثیت میں وہ خود کسی فرد کی دنیا ہوتی ہیں، محلہ میں جہاں وہ رہائش پذیر ہے، یا جس اسکول یا کالج میں وہ پڑھتا ہے؛ کارخانے، زمین یا دفتر میں جہاں پر وہ کام کرتا ہے۔ یہ ایسے مقامات ہیں جہاں پر ہر مرد، عورت اور بچہ مساوی انصاف، مساوی مواقع اور احترام چاہتا ہے۔ اِن حقوق کو اگر وہاں پر اہمیت میسر نہیں ہوتی تو پھر کہیں بھی نہیں ملے گی۔ اُن کو اپنے گھر کے قریب بالادستی فراہم کیئے بغیر دنیا بھر میں اُن کی بُلندی کی اُمید باندھے رکھنا بیکار ہے۔"

امریکہ کے تجربہ سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ انسانی حقوق کا تحفظ نہ ختم ہونے والی جدوجہد ہے، جس میں کسی قوم کے اپنے اصولوں اور مقصد کے بارے میں احساس شامل ہے اور وہ سیاسی برداریوں کی سلامتی اور فلاح و بہبود کی مشترکہ ذمہ داری کے متعلق سوالات میں جکڑی ہوئی ہے۔ بنیادی انسانی حقوق کا فروغ نہایت ضروری قدم ہے لیکن بہتر اور آزاد معاشروں کی جانب غالب امکانات کی منتقلی سے متعلق بس ایک قدم ہی ہے۔ انسانی آزادی اور عظمت کا یقینی تحفظ آزاد اور جمہوری ریاستوں کے رواداری اور حقوق کے احترام کے حامل آئین پر عملدرآمد سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ امریکہ کی حقوق سے متعلق ممتاز روایت کے معاملہ میں بین الاقوامی انسانی حقوق کے منصوبہ کو پروان چڑھانے کے لیے "چھوٹے مقامات" پر توجہ مذکور کرنا درکار ہے، وہ مقامات جہاں پر آزادی کی رُوح کی بنیاد، پروان چڑھتی اور اُستوار ہوتی ہے۔

ختم شد